دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ
ماہنامہ
الحق
زیر سرپرستی: شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق، بانی و مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور (مغربی پاکستان)

اس شمارے میں

ہندوستانی حضرات اپنا سالانہ چندہ شاہ منزل دیوبند، بھارت کے نام بھیج کر رسید ہمیں بھیجدیں۔

بدل اشتراک

مغربی پاکستان : سالانہ چھ روپے ، فی پرچہ ۶۰ پیسے ۔
مشرقی پاکستان : سالانہ بذریعہ ہوائی ڈاک آٹھ روپے ، فی پرچہ ۷۵ پیسے
غیر ممالک : سالانہ ایک پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

بدقسمتی سے اس وقت ملک انتشار اور افراتفری کا شکار ہے، اپنا ہی مال و متاع اپنے ہاتھوں سے بڑی بیدردی سے ضائع ہو رہا ہے، ظلم و تشدد بھی اپنوں ہی کا سہنا پڑ رہا ہے، ظاہر بات ہے کہ احتجاج و اضطراب کی یہ ہمہ گیر فضا نہ تو ایک گروہ یا طبقہ کی پیدا کردہ ہے اور نہ یکایک ایسا ہوا ہے بلکہ ملک کے تقریباً تمام طبقے کسی نہ کسی شکل میں اس میں شریک ہیں اور یہ ٹھیک ردعمل ہے اُس بے اعتدالی اور غیر فطری طریقۂ کار کا جس نے حکام اور رعایا سبھی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، تاریخ شاہد ہے کہ جب کسی قوم اور ملک کی سرکشی، خدا کی دی ہوئی نعمت کی ناشکری اور خدا سے کئے ہوئے عہد و میثاق اور باہمی حقوق کی پامالی حد سے بڑھ جاتی ہے، تو ایک طرف اس پر ظالم حکام اور خدا فراموش عمال مسلط کر دئے جاتے ہیں جو انہیں بڑی تیزی سے ذلت و ادبار اور اخلاقی گراوٹ کی طرف ہانکنے لگتے ہیں، اور دوسری طرف خود رعایا ایک دوسرے کی ایذا رسانی اور آبرو ریزی میں مشغول ہو جاتی ہے۔ اویذیق بعضکم بأس بعض۔ اور اس طرح اچانک چین و سکون کی زندگی اضطراب، پریشانی اور تعطل میں بدل جاتی ہے، ظالم عمال اور فکر آخرت سے غافل رعیت دونوں کو اپنے کئے کی سزا بھگتنی پڑتی ہے۔ ظہر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس۔

ایسے روح فرسا حالات میں ایک مسلمان کا شیوہ یہ نہیں کہ وہ محرکات اور اسباب کا کھوج لگاتے ہوئے صرف مادی اور اقتصادی دائرہ میں خرابیوں کی تلاش کرتا پھرے، بلکہ اُسے ان اخلاقی، روحانی اور ایمانی اقدار کے فروغ یا تنزل کا بھی جائزہ لینا چاہیئے جن کے تحفظ کے مقدس نام پہ یہ خطۂ حاصل کیا گیا تھا اس لحاظ سے اگر آپ سرسری جائزہ بھی لیں گے تو یقیناً مایوس ہوں گے کہ آزادی سے لیکر اب تک نہ صرف یہ کہ قیام مملکت کے محرکات اور دواعی سے صرف نظر کیا گیا، بلکہ وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ اس ملک کے اساسی نظریات سے غداری میں بھی شدت اور تیزی آتی گئی ہے۔ رعایا کو ارباب اقتدار نے فریب دیا ہے حصول اقتدار سے پہلے اسلام کا نام لے کر اور اقتدار کے بعد اسے پس پشت ڈال کر قوم سے اس ظالمانہ مذاق پہ ۲۲ سال سے زائد عرصہ گذر چکا، پھر رعایا نے بھی حکام کی

تقلید میں اپنے ذوقِ معصیت اور جذبۂ تہذیب فرنگ کی پناہ کبھی ایک نظام میں ڈھونڈنا چاہی ہے کبھی دوسری تحریک اور نظام میں۔ یہاں تک کہ جس دور کو ملکی ترقی و استحکام کا "سنہری دور" کہا جا رہا ہے۔ اس دور کو تو اسلامی اقدار اور اسلامی تہذیب و ثقافت کی بربادی اور اسلام کے گلے پر چھری پھیرنے کے لحاظ سے ایک "بدترین سیاہ دور" کہا جا سکتا ہے۔ جرأت کرنے والوں کی سنگدلی اور شقاوت نے حد کر دی کہ خدا کی شانِ تشریعی (قانون سازی) میں مداخلت کرتے ہوئے اس کے مقرّر کردہ معاشرتی حدود (عائلی قوانین) کو آرڈیننسوں کے ذریعہ منسوخ قرار دیا گیا۔ اس کی شانِ رزّاقی کو افزائش و پیدائش کی تحدید کے ذریعہ مجروح کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس کی شانِ عدل و انصاف سے آمریت اور استبداد کے ذریعہ اسکی مخلوق کو محروم کر دیا گیا، اور حد یہ کہ اس کے قائم کردہ معروفات و منکرات کی حدود توڑنے اور اس کے بھیجے ہوئے نظامِ عدل (دینِ حنیف) سے نکل کر یورپ کی اباحیت زدہ تہذیب کے لئے اسلام کے بنیادی اصول و مسائل پر ریسرچ و تحقیق کے نام سے عملِ جراحی شروع کی گئی۔ خود نہ بدل سکنے کی وجہ سے قرآن کے بدلنے کی سرپرستی کی گئی اور یہاں تک کہ اللہ کے آخری نبیؐ کی شانِ رسالت اور شانِ ختمِ نبوت کے پرچار اور تحفظ پر پابندی لگا دی گئی، مگر ناموسِ محمدی کے لٹیروں، سنتِ نبویؐ کے دشمنوں، اور تحریف و تجدّد کے علمبرداروں کو کھلی چھٹی مل گئی، پھر اشاعتِ حق اعلاء دین اور مدافعتِ اسلام کیلئے خدا نے علماءِ حق کا جو زمرہ منتخب فرمایا اور جس کے ذمّہ ہر حالت میں کلمۂ حق کہہ کر حقِ نصیحت و خیر خواہی ادا کرنے کا کام لگایا گیا تھا، اُن کو مختلف سکیموں اور منصوبوں کے ذریعہ اُس تنگ اور محدود دائرہ کار سے بھی خارج کرنے کی سعی کی گئی، جسے منبر و محراب اور مسجد و خانقاہ کا نام دیا جاتا ہے، بلاشبہ نتائج اور عواقب کے لحاظ سے تاریخ میں عیاری کی یہ بدترین مثال ہے کہ خیر خواہی اور اصلاح کے نام پر سیاست کی طرح مذہب کو بھی "ایبڈو" کر دیا جائے اور حاملینِ مذہب میں بھی "بی ڈی سسٹم" چلایا جائے۔

یہ ایک دھندلا سا خاکہ ہے ان اسباب و محرکات کا جس کا تعلق قوم کی معاشرتی، اخلاقی اور مذہبی زندگی سے ہے جس کی بنیادوں پر لاکھوں لاشوں ہزاروں عصمتوں اور کروڑوں مسلمانوں کی پریشانی اور بربادی کی عمارت اٹھائی گئی تھی، جہاں تک مادی اور اقتصادی سطح یا جمہوری نقطۂ نگاہ کا تعلق ہے آج کی فرصت میں ہمیں اس سے سروکار نہیں، مگر جس "سنہری دور" میں دین اور معاشرت، مذہب اور اخلاق کی اس قسم کی "اصلاحات" شامل ہوں، حیرت ہے کہ ہمارے صدرِ محترم نے کل (یکم دسمبر) کی تازہ تقریر میں

ان سب کارناموں کا رشتہ اپنے ربّ کی ہدایت اور ایمان کی روشنی سے جوڑ دیا۔ صدرِ محترم کا ارشاد ہے کہ "میں نے ہر حال میں قوم کے جذبات کی ترجمانی کی ہے۔ اور بنیادی مسائل کے حل کیلئے دن رات ایک کر کے اپنے ربّ کی ہدایت اور ایمان کی روشنی میں کام کیا ہے۔" (جنگ ۱۲ دسمبر) ہو سکتا ہے کہ مادی اور دنیاوی لحاظ سے ملک کے استحکام اور ترقی میں قدرت نے صدرِ محترم کی دستگیری کی ہو اور بلاشبہ ایک شخص اپنے کارناموں میں مخلص بھی ہو سکتا ہے اور اسے حق ہے کہ اپنی "اصلاحات" کو اپنی صوابدید میں حق طلبی کا نتیجہ قرار دے، مگر جہاں تک عائلی قوانین جیسے صریح تحریفِ قرآن و سنت، خاندانی منصوبہ بندی جیسے کھلے فواحش، ثقافتی طوائفوں اور جشنوں کی ترقی اور آرٹ و ثقافت کے عروج اور پھر "ادارۂ تحقیقاتِ اسلامیہ" جیسے اداروں کی شرمناک جسارتوں کا تعلق ہے، ہم ہرگز ہرگز ربّ کی ہدایت اور ایمان کی روشنی کا نتیجہ قرار نہیں دے سکتے۔ ایسے اعمال ربانی نہیں بلکہ شیطانی ہو سکتے ہیں۔ تعالیٰ اللہ عن ذالک علواً کبیرا۔ یہ ہدایت نہیں نفس کا فریب ہوتا ہے۔ ایمان کی روشنی نہیں بلکہ غفلت کا اندھیرا ہوتا ہے۔ جس کی تائید نہ تو خدا کرتا ہے اور نہ اس کا رسول، اگر ہوتا تو ایسی "اصلاحات" کو تحسین فرماتے ــــ بہرحال جہاں تک ایسے امور کا تعلق ہے اس کے ردعمل میں ملک گیر پریشانی، اضطراب اور برہمی کے ہمہ گیر سلسلہ کا رونما ہونا ایک طبعی امر ہے۔

مگر مسلمان جیسی شائستہ اور باوقار قوم کو جذبات کے اظہار میں اپنے ہاتھوں یہ توڑ پھوڑ اور شر و فساد، یہ ہڑ بونگ اور پُرامن شہریوں پہ یہ سنگباری ہرگز زیب نہیں دیتی جسکا مظاہرہ ہو رہا ہے۔ قرآن نے اپنے ہاتھوں سے اپنا گھر بار برباد کرنے کو یہود کا شیوہ قرار دیا ہے۔ یخربون بیوتھم بایدیھم۔ (اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے برباد کر رہے ہیں۔) اور کسی قوم کا یہاں تک پہنچنا انتہائی حالات کا غماز ہوتا ہے جس سے ہمیں اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے، بیشک مسلمان اپنے حقوق، دینی اقدار و روایات کیلئے لڑتا ہے۔ ایک مسلمان بڑھیا امیر المومنین فاروق اعظمؓ تک کو بھرے مجمع میں ٹوک سکتی ہے۔ مگر یہ سب کچھ اللہ کے مقرر کردہ آئینی حدود اور عقل کے دائرہ میں رہ کر کہ کسی بے گناہ شہری کی عزت و دولت کو گزند نہ پہنچنے پائے۔ مسلمان کا حق کیا، بلکہ اس کا تو فریضہ ہے کہ ظلم و استبداد اور بدی کو محسوس کرے تو اسے مٹائے مگر یہ ضروری ہے کہ اسلامی تعلیمات اور مومنانہ شان مجروح نہ ہونے پائے۔ مگر موجودہ حالات میں شکوہ کیا جائے تو کس سے؟ جس قوم کی اسلامی تربیت، دینی تعلیم اور جس معاشرہ کی اخلاقی اور علمی نگہداشت کو تہذیبِ مغرب

کی دیوی پر نثار کیا جا چکا ہو، جس قوم نے مستقبل کی پونجی — بچوں اور نوجوانوں — کو محمد عربی ؐ سے چھین کر لارڈ میکالے کی گود میں ڈال دیا ہو جن کے دل و دماغ کی پرورش صرف برکلے اور ہکسلے کے فلسفہ اور مغرب کی خدا فروش تعلیمات اور شیکسپیر کے ڈراموں سے کی جا رہی ہو، ایسے معاشرہ، ایسی قوم اور ایسی رعایا سے بار پڑنے کے وقت اخلاق و اعتدال کی حدود قائم نہ رکھ سکے، یہ شکوہ سنجی کب جائز ہے؟ معدہ اور مادہ کے گرد گردش کرنے والی ایمان اور عقیدۂ آخرت سے عاری تعلیم اور اس کے تمام مظاہر کا نتیجہ اسی "وبائی اور عالمی مرض" کی شکل ہی میں ظاہر ہو سکتا ہے، جس کا شکوہ مصر کے وزیر خارجہ نے اپنے ایک حالیہ بیان میں کیا ہے ———

ہمارا دعویٰ ہے کہ اگر ہمارا تعلیمی نظام دین اور مذہب سے اتنا کورا نہ ہوتا تو طالب العلم شائستگی کا دامن ہرگز نہ چھوڑتے۔ مثال میں ہم اپنے مدارس عربیہ پیش کر سکتے ہیں جن کے طلباء کی تعداد لاکھوں سے زیادہ نہ ہو تو کم بھی نہ ہوگی۔ اس ملک میں دینی مدارس اور دار العلوموں کا ایک جال پھیلا ہوا ہے۔ ان ہنگامہ خیز ایام میں بھی بعض مرکزی شہروں میں سینکڑوں ہزاروں طلبہ علوم نبوت حصول تعلیم میں مشغول ہیں۔ (یہ وہ مدارس ہیں جنہیں ہمارے ہاں کا خوشامدی مذہب دشمن تجدد زدہ طبقہ انتشار و اختلافات کے گڑھ قرار دیتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ انہی مدارس کی وجہ سے ملک روبہ تنزل ہے۔) مگر ——— غالباً کسی دینی مدرسے کے طالب العلم کے بارہ میں ایسی خبر سننے میں نہیں آئی ہوگی کہ جس نے نظم و ضبط کو چھوڑ کر شخصی یا ملی اموال و املاک کو نقصان پہنچایا یا ناشائستہ حرکت کی یا بسوں پر پتھراؤ کیا ہو ———

——— اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ دینی طبقہ یا اسلامی علوم کے طلبہ اور اہل علم ملکی حالات پر مطمئن ہیں یا انہیں جمہوریت کے لئے کرشان افراد سے ہمدردی نہیں، حاشا وکلا یہ چیز وفاداری کا ثبوت نہیں وفاداری تو بشرط استواری ہوتی ہے۔ اور علماء دین اہل حق اور ان بوریا نشین طالب العلموں کی اولین و آخرین وفاداری تو دین، رسالت، ناموس رسالت اور اسلامی علوم سے ہے، بلکہ اس وقت مضطرب اور بے چین اگر ہے تو یہی طبقہ ہے کہ اسے غم ہے تو دین کا اور فکر ہے تو ملک کے ایمان و اخلاق کا، اور یہ ایک ایسا غم ہے کہ دورِ حکومت، اقتدار، پارٹی، روٹی اور چینی سے تو ہزار درجہ شدید اور جان لیوا ہے کہ۔ ع

غم غم دین خور کہ غم ہم اوست ——— اور نہ یہ شائستگی اہل حق کے خوف یا بے حسی کا ثمرہ ہے بلکہ منکرات پر نفرین اور معروفات کی تبلیغ، باطل پر تنقید اور حق کا ذریعہ تو اظہار حق کا وہ عجیب مشغلہ ہے جس سے اس پورے عرصہ میں کسی لحظہ بھی علماء حق نے گریز نہیں کیا۔ بلکہ ہمارا [illegible]

مسجد ہو یا خانقاہ، منبر ہو یا سٹیج اعلائے حق جیسے اعلیٰ اور افضل جہاد کو علماء ہی نے سنبھالا دیا ہے یہی وہ طبقہ ہے جو لایخافون فی اللہ لومۃ لائم کا مصداق ہے اور اسی طبقہ کی جرأت رندانہ کا نتیجہ ہے کہ باقی اسلامی دنیا کی بہ نسبت اس ملک میں دین اور دینی اقدار کی گرفت اتنی کمزور نہیں ہو سکی —— یہ ایک ضمنی بات تھی —— اسلامی تعلیمات اور لارڈ میکالے کے نظام کے اثرات اور اس کے تفاوت کی یہ ایک ادنیٰ مثال ہے۔ کاش عالم اسلام کے ارباب حل وعقد اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے سہی مگر نوجوانوں کی اس عالمی بیماری کے علاج میں دین و اخلاق کا بھی معقول حصہ شامل کر دیں۔

بہرحال اس وقت قوم انتشار اور بے چینی کے جس نقطہ عروج تک جا پہنچی ہے اس کا علاج اکا دکا مطالبات یا کسی گروہ کے دو چار مطالبات منظور کرانے میں نہیں، چھوٹے موٹے سوراخوں کو بند لگانے سے سیلاب نہیں رک سکتے اور نہ وقتی علاج سے بیماری کی جڑ کٹ سکتی ہے، اگر حزب اقتدار چاہتی ہے کہ اس ملک کی تعمیر و ترقی اور مخلصانہ خدمت کی زمام اس کے ہاتھ میں رہے یا حزب اختلاف چاہتی ہے کہ واقعی معنوں میں اس ملک کی پریشانیاں ختم ہوں تو اس کی صورت ایک ہی ہے کہ خرابیوں کا سرچشمہ بند کر دیا جائے اور مرض کی بیخ کنی کی جائے۔ اور وہ اسطرح کہ پورے خلوص و ایمان اور مومنانہ جرأت کے ساتھ اس ملک کو اس نظریہ کے سپرد کر دیا جائے جس کے نام پر اسے حاصل کیا گیا۔ اور اسی جوش و ولولہ سے ہم زندگی کے تمام شعبوں میں اس دین کی طرف پلٹ جائیں جس تیزی سے ہم نے اسے پس پشت ڈال دیا ہے۔ اسی میں حکام کی نجات ہے اور اسی میں رعایا کی ورنہ یقین جانئے کہ اس ملک کو نہ تو آئے دن کے انقلابات سے عافیت مل سکتی ہے نہ موجودہ اقتدار کے ذریعہ اور نہ اس حزب اختلاف سے جس کے اکثر زعماء کی خدا فراموشیوں نے ہی ملک کو اس نوبت تک پہنچایا اور نہ ہماری مصیبتوں کا مداوا سوشلزم میں ہے، نہ سرمایہ داری میں نہ چین اور روس ہمیں بچا سکتا ہے اور نہ امریکہ اور برطانیہ ہمارا خیر خواہ ہے۔ اس مہلک مرض کا علاج صرف انہی ہاتھوں میں ہے جنہیں خداوند کریم نے اپنا ہاتھ قرار دیا، اور جس کی اطاعت اللہ کی اطاعت اور جسکی نافرمانی خدا سے سرکشی ہے، وہ ذات قدسی صفات جنہیں ہم محمد عربی (صلوٰت اللہ علیہ) کے پیارے نام سے پکارتے ہیں ——!

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق

صدمۂ جانکاہ

دینی و علمی حلقوں اور خاص طور سے حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کے متعلقین نے یہ افسوسناک اطلاع نہایت رنج و غم سے سنی کہ مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند میں شمولیت کیلئے آتے ہوئے مظفر نگر میں حضرت مولانا حمید الدین صاحب شیخ الحدیث مدرسہ عالیہ کلکتہ اور حضرت مولانا اسعد مدنی کے فرزند گرامی قدر صاحبزادہ محمد صاحب کا کار کے حادثہ میں انتقال ہوگیا، اس حادثہ میں مولانا اسعد مدنی کی اہلیہ اور خوش دامن بھی زخمی ہوئیں۔ مولانا حمید الدین صاحب مرحوم جید عالم ممتاز ادیب و انشاء پرداز اور حضرت مولانا اسعد مدنی (صاحبزادہ حضرت شیخ الاسلامؒ) کے خسر تھے۔ مرحومین کو قبرستان قاسمی میں حضرت مدنیؒ کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا نہ صرف دارالعلوم حقانیہ، اور ادارہ الحق بلکہ پورے برصغیر کے علمی و دینی حلقے حضرت شیخ الاسلام کے قابل فخر فرزند مولانا اسعد مدنی کے ساتھ اس غم میں شریک ہیں اس ملک میں بھی حضرت شیخ الاسلام کی کفش بردارى کو ذریعۂ نجات سمجھنے والوں کی کمی نہیں اور بجا طور پر مدنی خاندان کا ہر دکھ درد انہیں اپنا ہی غم محسوس ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ مرحومین کو درجات عالیہ اور صاحبزادہ محترم برادر مکرم مولانا محمد اسعد مدنی اور دیگر برادران کو اس مصیبت عظمیٰ میں صبر و استقامت عطا فرمائے اور ملت محمدیہ کی خدمات جلیلہ کی زیادہ سے زیادہ توفیق دے۔

—— سمیع الحق ——

★

برکاتِ رمضان

جود و بخشش کا موسمِ بہار

(خطبۂ جمعۃ المبارک یکم رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ)

خطبۂ مسنونہ کے بعد ——— وعن عبد اللہ بن عباس رضؓ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجود الناس وکان اجود ما یکون حین یلقاہ جبریل علیہ السلام وکان یلقاہ فی کل لیلۃٍ من رمضان فیدارسہ القرآن فلرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَجوَدُ بالخیر من الریح المُرسَلَۃِ ——

خداوند تعالیٰ کی خاص نعمت | محترم بھائیو! ہم اور آپ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں اور یہ خداوند کریم کے ان عظیم نعمتوں میں سے جو اس امت پر ہیں، سب سے بڑی نعمت ہے کہ ہمیں حضور اقدسؐ کی امت میں پیدا فرمایا۔ حضور اقدسؐ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جنّت کا دروازہ میرے لئے کھولا جائے گا اور میں اپنی امّت سمیت جنّت میں داخل ہوں گا اور یہ قاعدہ بھی ہے کہ جہاں آقا، سردار یا حاکم موجود ہو وہاں اس کا خادمِ خاص بھی خدمت کی خاطر ساتھ ہی رہتا ہے۔

نعمت کا تقاضا | جب اللہ جل مجدہٗ نے ہم پر اتنی بڑی نعمت فرمائی تو چاہیئے کہ ہم اپنے آقائے نامدار اور روحانی والد سردارِ دوجہاں کے نقشِ قدم پر چلیں۔ ہر امت اپنے پیغمبر کی روحانی اولاد ہوتی ہے، اور روحانی رشتہ جسمانی رشتہ سے زیادہ قوی اور مضبوط ہوتا ہے، اس وجہ سے ایک حدیث میں ارشاد ہے: لَا یُؤْمِنُ اَحدکم حتّٰی اَکُونَ اَحبَّ اِلیہ من والدہٖ وولدہٖ والناسِ اَجْمعین۔ (جب تک تم میں سے ہر شخص کے نزدیک میں اس کے والد اسکی اولاد اور ساری مخلوق سے زیادہ محبوب نہ ہوں تب تک وہ شخص مؤمن نہیں کہلا سکتا۔) صحیح اولاد وہی

ہوتی ہے جو اپنے ماں باپ کے صحیح اتباع اور پیروی اختیار کرنے اور جو اپنے والدین کے نقشِ قدم پر نہ ہو لوگ اسے نااہل اور نالائق سمجھتے ہیں تو امتی وہی سچا امتی ہے جو حضورؐ کی سنت پر عمل درآمد کرتا ہو اور جو امتی ہونے کا دعویٰ کرے مگر اپنے نبیؐ کی اتباع نہ کر سکے وہ دعویٰ میں غلط ہے۔ اور یہ دعویٰ اس کے لئے باعث تمسخر ہے۔

محترم بھائیو! یہ رمضان المبارک کا مہینہ بھی اس امت پر خداوند تعالیٰ کے خاص کرم کا مہینہ ہے۔ خداوند تعالیٰ نے اس امت پر حد سے زیادہ انعامات واکرامات کئے ہیں اور کر رہا ہے۔ اسکی نعمتیں تو لاتعدّ ولاتحصیٰ ہیں کہ جن کا شمار ممکن نہیں یہ ہماری روح ہماری زندگی ہمارا وجود، یہ آنکھ، ناک، کان، ہاتھ پاؤں دل و دماغ یہ سب خدا کی نعمتیں ہیں جس سے ہم فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہ زمین، ہوا، پانی، غلّہ، پھل، پھول جو کچھ بھی ہمارے لئے ضروری تھا سب اللہ جل شانہٗ نے زمین کے دسترخوان پر ہمارے لئے بچھا دیا۔ پھر خاص طور پر انسان کو تو اشرف المخلوقات بنا دیا، اپنا خلیفہ بنا دیا، ساری مخلوق پر اسے اقتدار اور تسلّط دیا تاکہ وہ اس میں تصرف کرتا رہے۔ یہ خاص انعام ہے ـــــ مگر

سب سے بڑی نعمت اللہ کی ہمکلامی اور اس کلام کا مخاطب بننا ہے۔ انسان پر سب سے بڑھ کر نعمت یہ ہے کہ خدا نے اسے اپنی ہمکلامی سے مشرف کیا، اپنے کلام کا مخاطب بنایا۔ اپنے کلام کے نزول کا اہل بنا دیا، اسکی افہام وتفہیم اور اسکی تلاوت کرنے سے نوازا ـــــ ہر نعمت اسکی بے حد ہے مگر یہ نعمت کہ اللہ نے حضور نبی کریمؐ کو مبعوث فرما کر اُن کے ذریعہ ہمیں اپنے کلام سے مشرف فرمایا، ہمارے پاس قرآن مجید بھیجا، اور ہمیں اس قابل کر دیا کہ اسکی تلاوت کریں اسے سنیں اسکو سمجھیں اس پر عمل کریں اس پر غور و فکر کریں۔ یہ خدا کی وہ خاص نعمت ہے جس کا جواب نہیں اور جسے خود اللہ نے بطور امتنان ذکر فرمایا ہے۔ ولقد یسّرنا القرآن للذکر فھل من مدکر۔ ہم نے اسے نازل کیا اور پھر اسے سمجھ اور نصیحت کے لئے آسان بھی بنا دیا ـــــ قرآن مجید خدا کا کلام نفسی ہے۔ اور خدا کی ذات وصفات کا تحمّل ادراک اور فہم ہمارے اذہان سے باہر کی چیز ہے۔ تو اللہ نے اپنے کلام نفسی کو اس ـــــ کلام لفظی کی شکل دے کر اسے آسان کر دیا۔

تلاوت قرآن صرف اس امت کی خصوصیّت ہے حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ قرآن مجید کی تلاوت کی نعمت فرشتوں کو بھی حاصل نہیں، اور اسی وجہ سے جیسا کہ حدیث میں ہے فرشتے نماز میں شریک ہوتے ہیں کہ امام کی تلاوت سنیں، جب سورہ فاتحہ ختم ہو تو آمین کہتے ہیں۔ اور جہاں قرآن مجید پڑھا جائے، وہاں ملائکہ جمع ہو کر عرش تک اوپر نیچے پَر لگا دیتے ہیں، اور گرد گھیرا

ڈال دیتے ہیں (حفتہ الملائکۃ وغشیتہ الرحمۃ) کہ اس قرآن کی وجہ سے جو رحمتیں نازل ہوتی ہیں فرشتے بھی اس کے مورد بن سکیں اور اسے سن سکیں۔ تو شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن کی تلاوت کی فضیلت و منقبت صرف اس امت کو حاصل ہے۔ اگلی امتوں کو بھی اللہ نے احکام سے نوازا مگر ان کو کتابیں دیں کلام نہیں دیا مثلاً حضرت موسیٰؑ کو تورات شریف ملی جو لکھی ہوئی چیز تھی اسکو کلام نہیں کہہ سکتے۔

کلام اللہ اور کتاب اللہ میں فرق | کتاب الگ چیز ہے اور کلام الگ جس پر متکلم تلفظ کرے اور آواز و صوت پیدا ہو اگر کسی کو اپنی خیریت اور حالات لکھ دو، اس کو کتاب کہیں گے، اور اگر ٹیلیفون پر بات چیت کر دیا مشافہۃً کہ وہ کانوں سے سن لے تو اس کو کلام کہیں گے۔ تو قرآن مجید اللہ کا کلام ہے، اس کے الفاظ اور معانی دونوں خدا کی طرف سے ہیں جسے اللہ جل مجدہٗ نے ہماری فہم اور تفہیم کا ذریعہ بنا دیا۔ اور تلاوت اسکی آسان فرما دی۔

ماہِ رمضان کی برکتیں | تو اس مہینہ میں قرآن مجید اتارا گیا۔ شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن۔ اس مہینہ میں اللہ کی بے انتہا نعمتیں ہیں۔ یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ رمضان میں ایک نفل ستر نفل کے برابر ثواب رکھتا ہے۔ ایک تسبیح سبحان اللہ کہنے کا بھی ستر دفعہ سبحان اللہ کہنے کے برابر اجر ہے۔ ایک فرض کا ستر فرضوں کے برابر ثواب ہے۔ ایک بڑی نعمت اس مہینہ میں یہ ہے کہ جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور دوزخ کے بند ہو جاتے ہیں

برزخ والوں کو رمضان کا فائدہ | اس کا بڑا فائدہ عالم برزخ والوں کو ہوتا ہے ـــــــ کہ جہنم کے شدائد میں کمی آجاتی ہے۔ جو لوگ قبر یا برزخ میں ہیں، تو حدیث میں آتا ہے کہ دوزخیوں کو جہنم کا دروازہ کھولا جاتا ہے کہ اسکی بدبو، گرمی اور شدت پہنچتی رہے اور جو جنتی ہے ان کے لئے جنت کے دروازے قبر میں کھول دیئے جاتے ہیں اور وہاں کی رَوح و ریحان اسکی خوشبو اور تر و تازگی ان تک پہنچتی ہے۔ القبر روضۃٌ من ریاض الجنۃ او حفرۃٌ من حفر النیران۔ قبر یا تو جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغ ہے اور یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے ـــــ تو جو لوگ برے اعمال اور فسق و فجور کی وجہ سے عذاب قبر میں مبتلا ہیں ـــ تو رمضان میں جہنم کے دروازے بند ہو جانے کی وجہ سے ان کو کچھ چھٹی مل جاتی ہے۔ اور قدرے فائدہ ہو جاتا ہے اور جنت کے حقداروں کو جنت کی خوشبو اور نعمتوں میں اور بھی اضافہ ہونے لگتا ہے ـــــــ

رمضان میں مرنے والوں کو ماہِ رمضان کا فائدہ | اس طرح اگر کوئی گنہگار رمضان ہی میں مرگیا تو جیسے کہ

جیل خانہ چھٹی کے دن بند رہتا ہے اور اگر اس دن کسی مجرم کو پکڑ لیا جاوے تو اسے باہر رکھتے ہیں پولیس اسے اپنے ساتھ رکھتی ہے جس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ گھر سے مجرم کو کھانا وغیرہ جا سکتا ہے۔ ملاقات بھی خویش واقارب کر سکتے ہیں مگر جب جیل کا دروازہ کھلا اور وہاں داخل کردیا تو سب رعائتیں ختم ہوجاتی ہیں۔ تو اگر یہ شخص جو گنہ گار ہے اور مستحق جہنم ہے، اس مہینہ میں مرجائے تو ختم رمضان تک تو کم ازکم جہنم کی شدت اور عذاب سے بچ جائے گا۔

نیکی کے دروازے کھل جاتے ہیں | حدیث کا دوسرا مطلب یہ ہے۔ رمضان میں نیکی کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اللہ نے جنت کے داخلہ کیلئے دروازے اعمال صالحہ ہی تو پیدا کئے ہیں۔ ہر نیکی کے بدلہ ستر نیکیوں کے برابر ثواب ہے تو نیکی کے دروازے جنت کی طرف کھل گئے۔ ہر رات آواز ہوتی ہے غیب سے کہ یاباغی الخیر اقبل۔ اے خیر اور بھلائی کی آرزو اور طلب رکھنے والے آگے بڑھ یہی وقت ہے نیکی کا۔ ایک دفعہ استغفار کر تسبیح پڑھ نماز پڑھ لے، اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کردے۔ ویاباغی الشر اقصر۔ اور اے شر کے طلبگار ذرا پیچھے ہٹ جا۔ رمضان سے پہلے اگر ایک شخص چوری، قتل، جوا، زنا اور دیگر گناہ کرتا ہے تو الزام شیطان پر لگاتا ہے کہ اس کے ورغلانے کی وجہ سے گناہ ہوا مگر یاد رکھئے۔ رمضان میں تو یہ الزام اس پر نہیں لگا سکتے، کہ اسے تو رمضان کے آتے ہی ہتھکڑیاں لگ جاتی ہیں اور اس کو سمندر کی تہ میں ڈال دیا جاتا ہے۔ صفدت الشیاطین و مردۃ الجن۔ میں نے دیکھا کہ پہلی ہی رات سے مساجد بھر گئیں، لوگوں کا میلان نیکیوں کی طرف ہوگیا، لاکھوں مواعظ سے اتنا کام نہیں ہوتا جتنا کہ رمضان کے آتے ہی لوگوں میں تبدیلی آجاتی ہے۔ اللہ کی طرف عبادات اور نماز وغیرہ کی شکل میں متوجہ ہوجاتے ہیں، گھروں میں عورتیں نمازوں کا اہتمام کرنے لگتی ہیں۔ تو وجہ یہ ہے کہ شیاطین قید ہوجاتے ہیں۔ مگر جس مرد وعورت کا رمضان میں بھی اللہ کی عبادات اور بندگی کی طرف توجہ اور نیکی کی طرف میلان نہ ہوا تو سمجھ جائیے کہ اس میں رتی بھر بھی ایمان نہیں، وہ خود شیطان بن چکا ہے۔ کہ اب جب شیطان بند ہے تو کون یہ گناہ کرواتا ہے۔؟ خود اس کا نفس کرواتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے: ان اعدیٰ عدوّك نفسك اللتی بین جنبیك۔ (یہ تیرا نفس جو تیرے پہلو میں ہے سب سے بڑھ کر تیرا دشمن ہے۔)

یہ نفس جب تک مطمئنہ اور لوّامہ نہ بن جائے تو اس کے ہاتھوں ہلاکت کے گڑھے میں جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق پیدا کی تو ہر چیز سے پوچھا کہ میں کون ہوں۔؟ اور تو کون ہے۔؟ ہر چیز نے جواب دیا کہ تو رب ہے، خالق ہے، مالک ہے اور میں عاجز مخلوق ہوں۔ مگر نفس سے

جب پوچھا کہ میں کون ہوں اور تو کیا ہے؟ تو نفس نے جواب دیا کہ انت انت وانا انا۔ تو تو ہے
اور میں میں ہوں ـــــ یہ نفس خبیث کا جواب تھا، آج بھی نفس کا اثر ہے کہ کہا جاتا ہے کہ میں ایسا
ہوں، نواب ہوں، خان ہوں، پٹھان ہوں، میری پوزیشن کا کوئی جواب نہیں: میرے ساتھ کون
مقابلہ کر سکتا ہے، میں تو لعل و جواہر ہوں۔ الغرض شیطان کے بند ہوتے ہوئے بھی یہ بددیانتی
اس سے نفس ہی کرواتا ہے، گویا اس کا نفس اب شیطان بن گیا ہے اور اسکی مثال ایسی ہے
کہ پہلے اس ملک میں انگریز تھا تو ہم اپنی بد دینی کو اسی پر ڈالتے تھے کہ غلام ہیں اس لئے اسلام
کا جھنڈا سربلند نہیں کیا۔ اس لئے اسلامی قانون نہیں چل رہا، مگر اب تو ہم ۲۲ سال سے آزاد
ہوئے ہیں، غلامی نہ رہی تو ہمیں کون اسلام اور اسلامی قوانین سے روک رہا ہے۔ اب یہ لوگ
کیوں بد دین ہیں بلکہ اس حالت سے بھی بڑھ چکے ہیں۔ گویا اب تو یہ خود انگریز بن گئے ہیں۔ میرا
خیال ہے کہ غلامی کے دور میں اگر لوگ کوتاہی کرتے ہوتے مرے ہیں تو شاید خدا انہیں بخش دے
کہ مجبور تھے مگر اب تو کوئی عذر نہیں چل سکے گا۔ اس طرح شیطان جب بند ہوا تو نفس خبیث کا پنجہ پڑ گیا
اور جن لوگوں کے نفس میں کچھ صلاحیت تھی وہ عبادت میں لگ گئے، دل نرم ہو گئے، باجماعت
نمازیں پڑھنے لگے۔ پہلے ان پر شیطان کا تسلط تھا، اب وہ جیل گیا تو یہ آزاد ہوئے۔ اگر اب بھی
نہ سنبھلے تو سمجھ جائیے کہ وہ ابلیس سے بڑھ کر ہیں۔ جیسا کہ لوگ قیامت کے دن شیطان کو ملامت
کریں گے تو وہ جواب دے گا۔

فلا تلوموني ولوموا انفسکم۔ مجھے ملامت مت کرو بلکہ اپنے آپ پر ملامت کرو
میرا کوئی جبر نہ تھا ـــــ تو بھائیو یہ انتہائی خطرے کی بات ہے کہ اس رمضان میں ہم نماز نہ پڑھ
سکیں، اور نہ چوری، جوا، جھوٹ، فریب چھوڑ سکیں۔ ہر رات آواز آتی ہے۔ یاباغی الخیر اقبل۔
اے خیر کے طالب اسباب خیر کھلے ہیں ویاباغی الشر اقصر۔ اے شر کے طلبگار اب تو ذرا پیچھے ہٹ
جا خدا نے شر کے دروازے اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے تو اے شریر ذرا تو بھی اپنی
شرارت چھوڑ دے۔ ذرا شرم و حیا خداوند کریم سے کر اور برائی کو چھوڑ دے۔

روزے کا اجر خاص | رمضان کی رحمتوں میں بڑی رحمت یہ بھی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ
حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ الصوم لی وانا اجزی بہ۔ روزہ خاص میرے لئے ہے تو میں
ہی اس کا اجر دوں گا۔ روزہ ایسی عبادت ہے کہ جو عاشق ہو گا وہی روزہ رکھے گا۔ روزہ کا علم کسی
دوسرے کو نہیں ہو سکتا۔ یہ غیر اللہ کے لئے نہیں ہو سکتا۔ اس میں ریا و نمود نہیں آ سکتی جو روزے

رکھتا ہے وہ اپنے مالک اور رب کے رنگ میں اپنے آپ کو رنگتا ہے ۔ اللہ کھاتا نہیں، پیتا نہیں، غنی ہے ، صمد ہے ، بے نیاز ہے ان تمام چیزوں سے ، تو اس کا غلام بھی اپنی چیزوں کو اپناتا ہے تو اجر بھی وہ خاص طور پر خود ہی دیتا ہے ۔ جیساکہ ایک حاکم دربار منعقد کر کے کسی کو بلا لیتا ہے ۔ اور خاص اپنے ہاتھ سے اُسے تمغہ سے نوازتا ہے ۔ دوسرے ذرائع سے اتنی عزت نہیں ہوتی ، تو روزہ دار کو اتنی بڑی خوشخبری ہے کہ براہ راست حق تعالیٰ کے انعام کا مستحق بنتا ہے ۔ ایک دوسری قرأت "انا اُجزیٰ بہٖ" کی ہے کہ میں خود اس کو بدلہ میں دیا جاؤں گا تو اسکی قدر و قیمت کی تو حد ہی نہیں کہ جو بندہ شرائط اور آداب کے مطابق روزہ رکھے گا وہ محبوبِ حقیقی کے وصال سے سرفراز ہوگا ، تمام عالم کا بادشاہ عالم کا مالک اور محبوبِ حقیقی جب اپنا دیدار روزے کے بدلے میں دیتا ہو تو اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا ۔

روزہ قیامت میں بھی ساتھ دیگا | ایک روایت میں ہے کہ قیامت کے دن ظلم کرنے والوں کی نیکیاں اُن کے بدلہ میں اصحاب حقوق لے لیں گے ، مگر یہ روزہ ایسی عبادت ہے کہ جس کا اوروں کو علم نہیں ہوگا ۔ تو جب ساری نیکیاں اوروں کو حقوق میں دے دی جائیں گی کہ ہمارے ظلم اور حق تلفی کا تو کوئی حد نہیں ۔ مظلوم سب کچھ لے لیگا ۔ مگر یہ روزہ اسوقت جہنم کی آگ کے سامنے ڈھال بن جائے گا ۔ یہ نیکی محفوظ رہے گی الصوم جنۃ ۔ روزہ ایک ڈھال ہے ۔ پھر ان سب نعمتوں سے بڑھ کر نعمت وہی ہے جو میں نے عرض کر دی کہ خدا نے اس ماہ ہمیں قرآن کا طالب بنا دیا ۔

رمضان طالب العلمی کے ایام ہیں | یہ طالب العلمی کا زمانہ ہے اور طالب العلم وہی ہے جو بھوکا ہو ، پیاسا ہو ، راتوں کو جاگتا ہو ، یکسو ہو کر ایک ہی طرف کا رہے ، توجہ ایک طرف ہو جائے رات کو قرآن کا تراویح میں پڑھنا اور سننا اور دن کو اس کے سبق اور تعلیم کی لذت میں اس کے تصور میں اور اس پر عمل کرنے میں مستغرق رہنا یہ عملی تربیت ہے قرآنی تعلیمات کی ۔ اس لئے روزہ ہی میں قرآن نازل کیا گیا شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ۔ خداوند کریم نے بیت العزت سے آسمانی دنیا میں اسی ماہ قرآن اتارا ۔

انا انزلناہ فی لیلۃ القدر ۔ پھر بیت العزت سے نزول ہو شروع ہوا وہ بھی ایک روایت کے مطابق رمضان ہی میں ہوا تو چاہیئے کہ رات دن تلاوت کا اہتمام کریں ۔ رات کو ایک مرتبہ تراویح میں قرآن سننا سنت ہے اور پھر ہمارے اکابر امام ابو حنیفہؒ جیسے بزرگ تو ہر دن اور ہر رات ایک ختم فرمایا کرتے تھے ۔ ان حضرات نے رمضان کا کوئی لمحہ اور کوئی لحظہ ضائع نہیں کیا ۔ اگر تلاوت

نہ کر سکیں تو استغفار، تسبیح اور تحمید اور ذکر تو کر سکتے ہیں۔ ان امور میں غفلت نہ کریں، حدیث کی تشریح کے لیئے وقت نہ رہا۔

حدیث کی تشریح | البتہ اس کا ترجمہ عرض ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تھے اور آپ کی سخاوت رمضان میں انتہا کو پہنچ جاتی تھی۔ جب جبرئیلؑ آپ سے ملاقات فرماتے اور جبرئیلؑ رمضان شریف کی ہر رات میں آپ سے ملاقات فرماتے تھے اور قرآن کریم کے دور کرتے تھے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر کے معاملہ میں چلتی ہواؤں سے زیادہ تیز ہو جاتے تھے۔

سخاوت اور جود میں فرق | حدیث شریف میں لفظ جود ہے۔ سخاوت اور جود میں فرق ہے۔ سخاوت صرف مال کی تقسیم کا نام ہے اور جود اعطاء ما ینبغی لمن ینبغی۔ کو کہتے ہیں جو کہ عام ہے۔ صرف مال دینے پر موقوف نہیں بلکہ جو شئے بھی جس کے لیئے مناسب ہو اسے دیدی جائے۔ بلا امتیاز تمام اشیاء کی تقسیم کا نام جود ہے۔ مثلاً فقیروں کو اموال تقسیم کرنا تشنگان علوم کیلئے افاضۂ علم کرنا گم کردہ راہوں کیلئے ہدایت کرنا یعنی ہر کام اپنے محل میں کرنا یہ ہے جود۔

حضورؐ کی جود | تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اجود الناس تھے۔ آپؐ ہر شخص کو وہ چیز عطا فرماتے جو اس کے مناسب حال ہوتی تو جود ایک ملکہ ہے اور سخاوت اس کا اثر ہے اور پیغمبر علیہ السلام اپنے ملکات کے اعتبار سے تمام اہل کمال پر تفوق رکھتے تھے، پیغمبر کی سخاوت کی بھی نظیر نہیں بحرین سے ایک لاکھ روپیہ آیا نماز کے بعد سب کو تقسیم کر دیا اپنے لئے کچھ بھی نہ چھوڑا ایک دفعہ عصر کی نماز ادا فرماتے ہی جلد حجرہ مبارک تشریف لے گئے، اور سونے کا ایک ٹکڑا ہاتھ میں لائے۔ فرمایا یہ ٹکڑا گھر میں تھا۔ میں نے اس لئے جلدی کی کہ پیغمبرؐ کے گھر میں ایسی چیزوں کا رہنا مناسب نہیں، ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کے گھر میں پھولدار گدا بچھا ہوا دیکھا تو فوراً واپس تشریف لے آئے حضرت ام المؤمنین گھبرا گئیں۔ عرض کیا کہ حضرت کیوں واپس تشریف لے جارہے ہیں، فرمایا: مالی وللدنیا۔ ہمارا دنیا سے کیا تعلق۔ عرض کیا کہ آپ کے آرام کے لئے یہ تکیہ بنایا تو مالی وللدنیا کہہ کر فوراً تقسیم کر دیا، ایک عورت بڑے اشتیاق سے ایک تہبند لائی، عرض کیا کہ حضرت آپ اسے پہن لیں حضورؐ نے ازراہ شفقت قبول فرمایا اور پہن لیا۔ ایک صحابیؓ نے دیکھ کر چھوا اور کہا کہ یہ تو بہت اچھا ہے۔ مجھے دیجئے۔ آپ فوراً مکان میں تشریف لے گئے پرانا تہبند پہنا اور اسکو تہ کر کے اس صحابیؓ کو عنایت فرمایا۔ لوگوں نے اس صحابیؓ کو ملامت کی۔

— تو صحابیؓ نے جواب دیا کہ میں نے اس لئے یہ تہبند مانگا کہ اس کا اتصال آپؐ کے بدن مبارک سے ہو چکا ہے، میں اسے اپنے کفن میں رکھنا چاہتا ہوں۔ کہ آپ کے جسد اطہر سے یہ کپڑا ملاقی ہوا ہے۔ تو میرے لئے نجات کا ذریعہ بنے گا۔ غزوۂ حنین کے موقعہ پر بہت سے دیہاتیوں نے آگھیرا کہ کچھ عنایت فرمایئے۔ ہم آپ کا مال نہیں مانگتے آپ کے باپ کا مال نہیں مانگتے، اللہ کا مال مانگتے ہیں۔ آپ ان کی اس گستاخانہ گفتگو سے متاثر نہ ہوئے اور نہ برا مانا اور برابر مال دیتے رہے۔ حتیٰ کہ اژدھام کی وجہ سے پیچھے ہٹتے ہٹتے کیکر کے درخت میں الجھ گئے۔ فرمایا کہ اگر اس وادی کے خاردار درختوں کی مقدار میں میرے پاس مویشی ہوتے تو سب کو تقسیم کرتا — یاد رکھیں کہ اس موقع حنین میں ۲۴ ہزار اونٹ اور چالیس ہزار بکریاں اور بارہ ہزار اوقیہ (ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔) تقسیم کر دئے۔ یہ سب آپؐ کے شان جود کا ادنیٰ کرشمہ۔

مگر رمضان شریف میں حضورؐ کا جود بہت بڑھ جاتا تھا، کیونکہ رمضان شریف میں خداوند کریم کا جود لامتناہی اور بے شمار ہوتا ہے۔ تو تخلقوا باخلاق اللہ کی فضیلت بھی پیغمبر علیہ السلام سب سے زیادہ حاصل کرنا چاہتے تھے۔ جب خداوند کریم کے جود کی رمضان شریف میں یہ حالت ہے کہ الصوم لی وانا اجزی بہ۔ اور من قام رمضان ایماناً واحتسابا غفرلہ ما تقدم من ذنبہ۔ جو شخص رمضان میں ایمان ویقین کے ساتھ حسبۃً للہ عبادت کرے تو اس کے سابق گناہ معاف کر دئے جاتے ہیں۔ پھر اس رمضان میں لیلۃ القدر کے اندر قیام کرنیوالوں اور عبادت گزار کو ہزار مہینوں کی عبادت سے زیادہ اجر دیتے ہیں تو پیغمبر کا جود بھی حد سے زیادہ ہو جاتا تھا۔ اور جسطرح رب العالمین رمضان میں احسانات اور رحمت کی بارش برساتا ہے تو حضور پرنور اس ماہ مبارک میں جود وکرم زیادہ فرماتے تھے خصوصاً اسوقت جبکہ رمضان کی راتوں میں جبرئیل علیہ السلام آکر قرآن مجید کے دور فرماتے تھے اور اسکی وجہ یہ بھی تھی کہ قرآن مجید کے دور کی وجہ سے علمی وعملی ترقیات ہوا کرتی ہیں۔ اور حضور کے کمالات میں جسقدر ارتقائی کیفیات جلوہ گر ہوتی تھیں، اسی قدر جود میں بھی ترقی ہوتی تھی، تاکہ یہ کمالات، اپنی ذات تک محدود نہ رہیں۔ بلکہ ساری امت کو اس سے بہرہ اندوز فرماتے رہیں۔ تو رمضان شریف میں، قرآن مجید کے دور کے وقت ان ہواؤں سے جو لوگوں کی نفع رسانی کیلئے چھوڑی جاتی ہیں جو زندگی کا مدار ہیں اس سے بھی آپ کی جود زیادہ ہوا کرتی تھی آپ رحمۃ للعالمین ہیں۔ الغرض امت کو بھی چاہئے جو روحانی اولاد ہے کہ رات کو قرآن مجید کی تلاوت کرتی رہے۔ اور جود وسخاوت کی صفت اپنے اندر پیدا کریں۔ تاکہ پیغمبرؐ کے نقش قدم پر چل کر نجات دارین حاصل کریں۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

درس حدیث

ضبط و ترتیب : ادارہ الحق

ارشادات حکیم الاسلام علامہ قاری محمد طیب قاسمی مدظلہ
مہتمم دارالعلوم دیوبند

مقامات عبدیت و الوہیت

قسط ۔ ۲

(دارالعلوم حقانیہ میں دیئے گئے درس بخاری کی دوسری اور آخری قسط)

عبد کا کام یہ ہے کہ نیت سے بھی رجوع کرے اسکی طرف اور عمل سے بھی رجوع کرے۔ قلب سے متوجہ ہوگا وہ نیت ہو جائے گی، قالب سے متوجہ ہوگا وہ عمل ہو جائے گا۔

تصحیح نیت | تو درحقیقت اس حدیث میں بیان کئے گئے مقامات عبدیت۔ بندے کا کام یہ ہے کہ نیت صحیح ہو۔ نکاح کرے تو نیت صحیح ہو۔ ہجرت کرے تو اسکی بھی نیت صحیح ہو۔ دولت کمائے تو بھی نیت صحیح اور نیت صحیح کے معنی حسبۃ کے ہیں یعنی ہر چیز لرضاء اللہ اور لوجہ اللہ ہو، اور یہ کام بندے کا ہے۔ حق تعالیٰ معاذ اللہ نیت کے پابند نہیں، وہاں نیت کا کیا دخل، وہ تو بری ہے ہر چیز سے۔ نیت تو درحقیقت عبادت ہے اور وہ عبادت سے بری ہے، وہ تو معبود ہے۔ اس واسطے انما الاعمال بالنیات۔ میں تو مقامات عبدیت بیان کئے اور اخیر حدیث میں مقامات الوہیت اور بیچ میں ہیں ابواب علم کے عمل کے، اور اعتقاد کے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان اعمال اور ان اعتقادات میں نیت صحیح کرو تاکہ قرب پیدا ہو اور جب قرب پیدا ہوگا تو ثمرات مرتب ہوں گے، کہ میزان عمل بھر جائے گی تمہاری۔

صحیح بخاری کی جامعیت | تو اور صنیع امام بخاریؒ کی وہ تو ہیں حد کمال تک۔ لیکن یہ صنعت اول و آخر کی یہ بھی حد کمال کی ہے کہ بندے کو بندگی سمجھائی اور اخیر میں الوہیت کے مقامات کی طرف اشارہ کیا۔ اور بیچ کے اندر آگئے تمام ابواب، اس میں عبادات بھی ہیں، معاملات بھی ہیں: معاشرت بھی ہے، سیاسیات بھی ہیں۔ انتظامیات بھی ہیں۔ سارے ابواب دین کے آجاتے ہیں بخاری کے اندر اور اول و آخر کو نیت اور میزان عمل سے گھیر دیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ دو کنارے صحیح رہیں تو عبادت بھی قبول، معاشرت بھی قبول، سب ذریعہ بن جائیں گے۔

رضائے خداوندی کے ، اس واسطے میں نے اوّل کی حدیث بھی تلاوت کر دی اور آخر کی حدیث بھی اور اوّل با آخر نسبتے دارد ۔ ان دونوں میں باہم ایک نسبت ہے اور وہ نسبت یہی ہے کہ بندہ ابتداء سے چلے اور انتہاء کے مقام پہ پہنچ جائے اور امت علم و عمل وعبادت سب کو لیتا ہوا چلے اور انجام کار پہنچ جائے میزان عمل تک ۔ یہ آپ کے اعمال ہی درحقیقت تولے جائیں گے ـــــ

اعمال میں وزن آتا ہے نیّت سے | اور اعمال میں وزن ہوگا نیّت سے ۔ اگر نیّت صحیح ہے ۔ اخلاص صحیح ہے تو وہ عمل وزنی ہوگا ۔ اگر عیاذاً باللہ نیت صحیح نہیں تو کتنا ہی بڑا عمل ہوگا نا قبول ہوگا ۔ تو اللہ کے ہاں صورت نہیں دیکھی جائے گی کہ ڈھیل ڈھول کتنا ہے ، پھیلاؤ کتنا ہے ، بڑا کتنا ہے ۔ بلکہ وہاں وزن دیکھا جائے گا کہ اندر کتنا اخلاص ہے ، کتنا حسن نیت ہے ، کتنا صدق و ہے ۔ ان اللّٰہ لا ینظر الی صورکم واموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم واعمالکم ۔ اللہ تعالیٰ نہ تمہاری صورتیں دیکھتا ہے ، نہ تمہارے اعمال کی صورتیں دیکھتا ہے ـــ تمہارے اندر بھی دیکھتا ہے ، کہ دلوں میں کیا ہے اور عمل میں بھی دیکھتا ہے ۔

بعض دفعہ چھوٹا سا عمل ہوتا ہے اور کمال اخلاص سے آدمی انجام دیتا ہے وہی ذریعہ نجات کا بنتا چلا جاتا ہے ۔ اور بعض عمل بہت بڑا ہوتا ہے صورت کے لحاظ سے مگر نیت ٹھکانے نہیں ہے ، وہی ذریعہ بن جاتا ہے حبط اعمال کا ۔ اسی طرح ایک عمل چھوٹا ہوتا ہے نیک لیکن معلوم نہیں کہ کس کمال خلوص سے ادا کیا گیا کہ وہ ذریعہ بن جاتا ہے مغفرت کا ۔

عمل صالح کے حرص کی ایک عجیب مثال | امام ابو داؤدؒ محدث جلیل ہیں ، کتاب پڑھائی جاتی ہے ان کی نصاب میں ، ابو داؤد شریف ـــــ ان کے تراجم میں لکھا ہے کہ کسی دریا کے کنارے پر کھڑے ہوئے اور تقریباً پچاس سو قدم کے فاصلہ پہ جہاز کھڑا ہوا ۔ گودیاں تو تھی نہیں اس زمانہ میں کہ پلیٹ فارم سے لگ جائے جہاز ـ تو جہاز پرے کھڑا ہوا تھا ، اور امام ابو داؤدؒ کنارے پر تھے ، جہاز میں کسی شخص کو آئی چھینک ، اس نے بہت زور سے کہا الحمد للہ ، ان کے کان میں آواز پڑی ۔ تو مسئلہ آپ بھی جانتے ہیں کہ چھینک لینے والا الحمد للہ کہے تو اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا اخلاقی فرض ہے مگر اس کے لئے مجلس شرط ہے ۔ یہ نہیں کہ کوئی بازار میں چھینک مار کر الحمد للہ کہے تو آپ سفر کر کے جائیں یرحمک اللہ کہنے کے لئے ۔ امام ابو داؤدؒ پر واجب نہیں تھا کہ وہ یرحمک اللہ کہتے ۔ وہ کنارے پر تھے اور جہاز آدھے فرلانگ کے فاصلہ پہ دور ۔ مگر یہ حضرات عمل

کے بارے میں حریص ہوتے ہیں چھوٹے سے چھوٹے عمل کو بھی چھوڑنا نہیں چاہتے ۔ جیسے دنیا دار پیسے پیسے کے لئے حریص ہوتے ہیں ۔ کہ ہزار ہو جائیں تو کہیں کہ دس ہزار ہو جائیں ۔ دس ہزار ہو جائیں تو کہیں کہ ایک لاکھ کے مالک ہو جائیں ۔ اگر جنگل بھر کے بھی ان کو سونے کا دیں تو لابتغی ثالثاً وہ ضرور دوسرا جنگل مانگیں گے ، حرص کی وجہ سے ۔ ان اہل اللہ کو حرص ہوتی ہے عمل صالح کی کہ جتنا کما سکے ۔ گویا ساری جنّت کو سمیٹ لینا چاہتے ہیں اپنے لئے ۔ مگر اس کے معنی بخل کے نہیں ، یہ چاہتے ہیں کہ ساری جنّت پر قبضہ کریں اور اپنے ساتھ جو وابستہ ہیں ساتھ لے جائیں ۔ معاذ اللہ خود غرضی لاحق نہیں کہ تنہا چلے جائیں ۔ بلکہ سب متعلقین کو اپنے ساتھ پہنچائیں گے ...... بہرحال چھوٹے سے چھوٹے عمل کو بھی نہیں چھوڑنا چاہتے ۔ تو کان میں پڑا الحمدللہ ، تو تین روپیہ میں کشتی کرایہ پر لی ۔ اس میں بیٹھ گئے کہ جہاز کو پہنچ جائیں ۔ وہاں جا کے یرحمک اللہ کہا تو لکھتے ہیں اہل تراجم کہ غیب سے ایک آواز کان میں پڑی ، بولنے والا نظر نہیں آتا تھا کہ اے ابو داؤد آج تین درہم میں تم نے جنت خرید لی ۔ اب امام ابو داؤد کتنے تہجد پڑھے ہوں گے ۔ کتنی حدیثیں روایت کی ہوں گی ۔ کتنے جہاد کئے ہوں گے ۔ کتنے اعمال صالحہ کئے ہوں گے ۔ اور جنّت کی خریداری میں لکھ رہا ہے تین درہم ۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ کامل اخلاص سے وہ عمل کیا وہ اتنا وزنی بن گیا کہ وہ ہی ذریعہ بن گیا نجات کا ۔

اخلاص کی قوت | تو اصل میں عمل کو مقبول بنا دینے والی چیز وہ ہوتی ہے اخلاص کی قوت ۔ عمل بمنزلہ ایک ڈھانچے کے ہے اور روح اس کے اندر نیّت ہے ۔ اگر یہ روح نہ ہو تو عمل کا ڈھانچہ لاش کی مانند ہے ۔ اور لاش کا انجام ہے پھٹنا ، پھولنا ، سڑنا ، گلنا ۔ اسی طرح عمل اس کیلئے روح ہے اخلاص ، وہ آخرت تک پہنچیگا اور مضبوط ہو کر پہنچے گا ، اس پر ثمرات مرتب ہوں گے ۔ تو امام ابو داؤدؒ نے تین درہم میں جنّت کمائی ۔ اسی طرح جو بھی حدیث آپ پڑھ لیں تو اسکو کم درجے کا نہ سمجھیں ۔ ایک حدیث پڑھنے کی بھی اگر توفیق ہو جائے تو دنیا و ما فیہا ہمارے ہاتھ آگئی ۔ جنّت میں تو ایک کوڑے کے برابر ایک جوتے کے تسمے کے برابر بھی جگہ مل جائے تو سعادت ہے ۔ دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے ۔

قرآن و حدیث جنّت کے درجات ہیں | تو وہ جنت یہ قرآن و حدیث تو ہے ۔ بلکہ بعض روایات میں تو فرمایا گیا کہ قرآنِ مجید کی جتنی آیتیں ہیں اتنے ہی درجات ہیں جنّت میں ۔ اور بعض روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیتیں خود درجات ہیں جنت کے ۔ وہاں جا کر متمثل ہوں گی نعیم مقیم کی کی صورت میں ۔

تمثل اعمال کی عجیب مثال | یہاں ان کی شکل عمل کی ہے۔ وہاں جاکر ان کی شکل بن جائیگی نعمت کی۔ تو چیز ایک ہی ہے۔ دار دنیا میں ان کا لباس ہے عمل کا۔ اور دار آخرت میں ان کا لباس ثمرہ اور جنات کا۔ تو یہی بعینہ وہاں جاکر باغ و بہار کی صورت اختیار کریں گے۔ وہ ہمارے بچپن میں ایک کھلونا آیا کرتا تھا یورپ سے، ایک پیکٹ ہوتا اس میں بارہ ٹکیاں ہوتیں اور دو آنے میں ملا کرتا تھا۔ وہ ٹکیہ سے کر بچے بیٹھ جاتے تھے اور پانی ڈال لیتے تھے ایک کٹورے میں۔ پھر ایک ٹکیہ اس میں ڈال لیتے منٹ بھر کے بعد ٹکیہ پھٹتی تو کسی سے پھول نکل آتا۔ کسی میں سے انجن، کسی میں ریل کا ڈبہ نکل آتا بچے خوش ہوتے کہ گولی کا انجن بن گیا۔ گولی کا پھول بن گیا۔ گویا کاریگر نے ایسی ساخت سے اس گولی کو بنایا تھا کہ جب وہ کھلے تو کسی نہ کسی صورت میں نمایاں ہو جائیں۔ گویا کاریگر نے ایسی ساخت سے ان گولیوں کو بنایا تھا کہ وہ جب کھلے تو پھول کی صورت میں نمایاں ہو جائیں۔

آیات کی نعمت کی شکل میں ظاہر ہونے کی ایک اور مثال | آتش بازی آپ نے دیکھی ہوگی کہ آتش بازی میں ایک تنکا ہوتا ہے بانس کا۔ اس کے سر پر مسالہ اور بارود وغیرہ لگا دیتے ہیں لیکن جب اس کو آگ دیکر چھوڑتے ہیں تو کسی میں سے آگ کا بنا ہوا گھوڑا اور کسی میں سے سوار نکل آتا ہے۔ وہ دوڑ رہا ہے۔ فضا کے اندر یہ کاریگر کی صناعی ہوتی ہے کہ ایسے انداز سے وہ مسالہ لپیٹا ہے کہ جب وہ کھلے تو گھوڑے کی شکل بن جاتے تو ان گولیوں میں بھی صنعت ہے اور یہ ہے بندوں کی صنعت۔ تو اللہ نے ان آیات کو ایسی صورت سے ترتیب دیا ہے کہ جب وہ کھلے گی تو باغ و بہار بن جائے گی یہاں ان کی شکل آیت کی ہے وہاں ان کی شکل نعیم مقیم کی بن جائے گی۔

دوسری مثال | چیز ایک ہی ہے دار بدلنے سے، وطن بدلنے سے، ہئیت اس کی بدل جاتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی انجینئر جب کوئی کوٹھی بناتا ہے، تو سب سے پہلے کوٹھی اسکی قلب میں بنتی ہے۔ اتنی کھڑکیاں، دروازے اور رنگ و روغن سب وہ دل میں ذہنی آئینے میں تصور میں دیکھتا ہے، وہی کوٹھی بعینہ بنی بنائی تیار ہے۔ پھر اس کا نقشہ وہ کاغذ پہ کھینچتا ہے پنسل یا قلم سے اور وہی کوٹھی کا نقشہ کاغذ پہ آجاتا ہے۔ اور پھر اس کے مطابق زمین پر وہ اینٹ سے کوٹھی تیار کرتا ہے تو کوٹھی درحقیقت ایک ہی ہے، جو کاغذ اور زمین پر آئی — ذہن کا ظرف لطیف ہے تو اسکی شکل بھی مادی نہیں تھی، کاغذ پہ آیا تو اسکی شکل روشنائی اور لکیروں کی بن گئی دنیا کے میدان میں زمین پہ آیا تو اسکی شکل اینٹ پتھر کی بن گئی، مگر جو اصل نقشہ ہے وہ بعینہ وہی ہے جو انجینئر کے دل میں تھا۔ لباس بدلتے رہے وطن کے بدلتے رہنے سے شے ایک ہی رہی۔ اسی طرح یہ

آیات الٰہیہ اور اعمال صالحہ ہیں، یہاں ان کی شکل عمل کی ہے۔ جب وطن بدل جائے گا، آخرت میں تو ان کی شکل نعیم مقیم کی بن جائے گی۔

اعمال صالحہ آخرت میں سواری بن جائیں گے | تو یہاں یہ عمل جو آپ کر رہے ہیں، یہ عمل بھاری بھی ہے، شاق بھی، مگر صبر و تحمل سے اطاعت کے طور پر انجام دے رہے ہیں۔ تو یہاں یہ عمل آپ کے سر پر سوار ہے بوجھ ہے آپ کے لئے مگر آخرت میں جائے گا تو آپ کا بوجھ اٹھائے گا۔ آخرت میں آپ کے لئے قابل حمل و نقل بن جائے گا۔ آپ اس پر سوار ہوں گے

آیات الٰہیہ اور اعمال کا آخرت میں متشکل ہونے کی حقیقت | بالکل اسی طرح جیسے آپ سفر کرتے ہیں تو ایک بسترہ چھوٹا سا باندھا ایک بکس لیا بکس سر پر رکھا بستر کہ بغل میں دابا بکس بھی آپ کے سر پر سوار ہے اور بستر بھی آپ کے سر پر۔ تھکتے ہوئے ہانپتے کانپتے ہوئے جا رہے ہیں، سرائے میں جب پہنچے تو بسترہ بچھایا اب بستر نیچے ہے اور آپ اوپر اور وہ بکس بن گیا آپ کے لئے تکیہ تو اثنائے سیر میں آپ کے اوپر بار تھا ئیل اور منزل پر پہنچ کر وہ آپ کیلئے بستر بن گیا۔ بعینہٖ وہاں کی مثال ہے یہ اعمال بھاری ہیں صبر و تحمل کرنا پڑتا ہے، مگر وہاں جا کر یہ عمل ہمارے لئے سواری بن جائے گا۔ حدیث میں فرمایا گیا کہ: سمنوا ضحایاکم نانھا علی الصراط مطایاکم تم قربانیوں کو فربہ کیا کرو کہ یہی تمہارے لئے سواریاں بنیں گی پل صراط پر۔

تو یہاں قربانی گویا ہمارے سر پر سوار ہے، بوجھ ہے، کہ سینکڑوں روپیہ خرچ کرنے کے بعد دل کڑ رہا ہے کہ ایسے محبوب جانور کو ذبح کر دیا، اپنے ہاتھوں سے کاٹ چھانٹ دیا، اور وہاں جا کر ہم اس کے اوپر بار ہو جائیں گے۔ حدیث میں فرمایا گیا کہ السخاء شجرۃٌ فی الجنّۃ۔ یہ سخاوت جنت کے اندر ایک درخت کی صورت میں نمایاں ہوگا ——— جیسے آپ نے سخاوت کی کسی غریب کی خبر گیری کی، کسی کو چار پیسے دئے۔ تو وہ آپ کی سخاوت کے زیر سایہ پل رہا ہے، پھل کھا رہا ہے۔ تو آپ نے سایہ کر دیا سخاوت سے۔ اس سے غریب آدمی کو پھل ملا، سایہ بھی اور راحت بھی ملی، یہی عمل وہاں جا کر درخت بنے گا۔ آپ اس کے پھلوں سے فائدہ اٹھائیں گے، سو یہی سخاوت متشکل ہو گئی وہاں جا کر درخت کی صورت میں۔

ہر عمل کی کوئی نہ کوئی صورت ہوگی | تو ہر ایک عمل کو کوئی نہ کوئی صورت دیں گے حق تعالیٰ قیامت کے دن۔ یہ اعمال متجسد اور متشکل بن جائیں گے۔ اور یہ یوم حشر سے ہی شروع ہو جائیگا۔ حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ عرصات حشر میں، قیامت کے میدان میں ہر آدمی کے سامنے دو چیزیں ہوں گی،

ایک جہنم جس سے ہیبت ناک آوازیں آتی ہوں گی اور ایک اس کے اعمال جو قطار باندھے ہوئے کھڑے ہوں گے ان کو شکلیں دے دی جائیں گی عمل کے مناسب، گویا پوری دنیا مجسم کر کے سامنے کر دی جائے گی ___ ایک آدمی بیٹھا ہوا دیکھے گا اپنے کو کہ میں فلاں برائی کر رہا ہوں اور سات کوٹھڑیوں کے اندر اور فلاں وقت میں، بعینہٖ وہی ہیئت وہ زمانہ وہ مکان سب وہاں منتقل کیا جائے گا۔ اسے نظر آئے گا کہ میں اس زمانہ اور مکان میں بیٹھا ہوا اس حرکت میں مشغول ہوں تو یہاں کا زمانہ مکان اور ہر عمل اور اسکی ہیئت کذائی بھی وہاں لوٹا دی جائے گی ___

موجودہ سائنس سے ایک مثال | اور یہ کوئی عجیب بات نہیں، آج کی سائنس نے تو اسے بالکل آسان کر دیا ہے، وہاں ہندوستان میں دلّی میں ایک نمائش ہوئی، مختلف یورپین ممالک نے اپنے اپنے سٹال لگائے اور اپنی اپنی ایجادات دکھلائیں انہوں نے، تو روس کی طرف سے آیا تھا ٹیلی ویژن۔ تو اس میں دیکھنے کے لئے ہم لوگ گئے تو ہم نے کہا کہ کوئی عجب چیز دکھلاؤ اپنے روس کی، اس نے ایک ٹیلی ویژن دکھلایا اور اس نے کچھ مشینوں سے برابر کیا کہ ہمیں یوں نظر آیا کہ چین کا ایک جنگل ہے جس میں عورتیں دھان بو رہی ہیں، تو چینی عورتوں کا طریقہ یہ ہے کہ دھان بوتے بوتے کچھ گیت گاتی جاتی ہیں، دھان لگاتی جاتی ہیں۔ ان کی آواز بھی آ رہی ہے چینی زبان میں ان کے گانے کی، یہ دیکھا ہم نے واقعی عجیب چیز تھی۔ ہم یہ دیکھ رہے تھے رات کے وقت اور وہاں ظہر کا وقت تھا گویا بارہ ایک بجے ہوں گے، اس میں وہی وقت نظر آتا تھا۔ ویسی ہی دھوپ پھیلی ہوئی ہے، وہی وقت ہے۔ تو ٹیلی ویژن والوں کو تو اللہ نے یہ قدرت دی ہے کہ وہ ایک وقت کو متمثل کر کے دوسرے وقت میں دکھلا دیں عشاء کے وقت میں ظہر کا وقت دکھلا دیں، چین کا جنگل ہندوستان میں دکھلا دیں، حرکت کرنے والیاں ہمیں یہاں نظر پڑیں، آوازیں ان کی سنائی دیں۔ ایک وقت ایک مکان میں دوسرا وقت اور دوسرا مکان نمایاں کر دیا تو اللہ نے یہ قدرت انسان کو دی، عقل دیا تو اللہ کی قدرت کیا ایسا نہیں کر سکتی کہ دنیا کے سارے اعمال اور سارے زمانے اور سارے مکان لوٹا کر آخرت میں سب کے سامنے پیش کر دئے۔ جو اس کو مان سکتا ہے کیا وجہ ہے کہ وہ اسے نہیں مانے گا۔

سائنسی ایجادات اور عالم غیب | جو یہاں کی ایجاد کو مانتا ہے وہاں کی ایجاد کو بھی مانے گا۔ اور جب کہ یہاں کی ایجاد بھی انسان کی ذاتی نہیں۔ اللہ نے ہی تو یہ عمل اور عقل دیا جس سے ایسی ایجاد کرتے ہیں تو جس کے دئے سے ہم اس پہ پہنچ گئے۔ تو جو سرچشمہ ہے ان کمالات کا وہ اس سے زیادہ

بنادے تو کونسی تعجب کی بات ہے تو بہرحال یہ آیتیں یہ اعمال یہاں عمل کی صورت میں ہیں وہاں جاکر نعیم مقیم اور باغ و بہار کی صورت بن جائے گی۔ ایک آدمی یہاں معاذ اللہ زنا کرتا ہے، وہ سانپ اور بچھو حالت زانیہ میں لپیٹ رہا ہے اپنے بدن سے، مگر شکل نمایاں نہیں، قیامت کے دن شکل نمایاں ہوجائے گی کہ وہ زنا نہیں تھا۔ بلکہ سانپ اور بچھو تھا، وہ چوری نہیں تھی بلکہ عذاب تھا۔ عذاب الیم جو وہاں لپیٹا تھا شکل یہاں آگے بن گئی۔ تھوڑے عرصہ میں شکل سامنے آئے گی۔

ظہور اعمال کا ایک اور نمونہ | سردیوں میں بعض بچوں کو عادت ہوتی ہے گڑ کھانے کی اور اگر زمینداروں کا گھر ہو تو وہاں گڑ کے ڈھیر لگے رہتے ہیں اور بچے کھاتے رہتے ہیں، ماں باپ روکتے ہیں کہ بھئی گرمی کرے گا، مگر مٹھاس آتا ہے، مزہ آتا ہے، رکتے نہیں، وہ کھایا انہوں نے اور پانچ مہینے تو خوب کھاتے رہے مگر جب گرمی کا موسم آیا اب وہ پھوٹ پھوٹ کر نکلنا شروع ہوا پھوڑے پھنسیاں نکلیں۔ اور پیپ بہہ رہی ہے اب والد علاج کراتے کراتے تنگ آگیا، کہیں مرہم لگا رہا ہے کہیں مصفیات پلا رہا ہے اور کہتا ہے کہ بچے اسی دن کے لئے تو میں روکتا تھا کہ گرمی میں پھوٹ کر نکلے گا، تو یہی گڑ وہاں اس کی شکل مٹھاس کی تھی اور یہاں اسکی شکل ہوگئی پھوڑے کی، تھوڑا سا موسم بدل گیا تو آثار ظاہر ہوئے۔ آج جو بدعملی یہاں کی جارہی ہے، وہ یہاں ہے لیکن تھوڑا سا وقفہ گذرنے کے بعد جب موت کو یاد کرکے آدمی پہنچے گا قیامت میں وہی پھوٹ پھوٹ کر بدن سے نکلیں گی عذاب الیم کی صورت میں، جو یہاں نگلا تھا وہ وہاں سامنے آجائے گا۔

انسانی نفس اعمال کو نگلتا ہے اور آخرت میں انہیں اگل دیگا۔ | جتنے بھی اعمال ہیں یہ محض سطحی نہیں ہیں بلکہ انسانی نفس ان کو نگلتا ہے۔ اور جزو نفس بناتا ہے۔ نیکی ہو یا بدی جب جزو نفس بن گئیں تو جب نفس اس میدان میں پہنچے گا تو وہی چیزیں جو جوہر بنائی تھیں نفس کی وہ نکل گئیں تو اللہ تعالیٰ اندر سے بھی نمایاں کردیں گے عمل کو اور باہر سے بھی عمل کو مجسم بناکر حجت تمام کردیں گے۔

صحیح بخاری کے اوّل و آخر کی نسبت | تو بہرحال امام بخاریؒ نے ابتداء میں عمل کا پہلا سرا بتلا دیا کہ انما الاعمال بالنیات، کہ نیت صحیح کرو، تاکہ عمل صحیح ہو، گویا انما الاعمال بالنیات تو ایک اصولی کلیہ ہے۔ کہ ہر چیز نیت سے معتبر ہوگی، شرعی وجود اور شرعی ثواب نیت سے ہوگا۔ اب اس کلیہ سے ہم نفع کسطرح اٹھائیں تو انتفاع کیلئے دوسرا جملہ رکھا وانما لامرء ما نوی آدمی جو نیت کرے گا اس کو وہی پھل ملے گا۔ محض اصول کے درجے میں بات نہیں رہ جائے گی۔ بلکہ عمل کے میدان میں یا ضرر اٹھائے گا یا نفع۔ تو یہ دوسرا اصول ہے انتفاع کے لحاظ سے وہ اصول ہے عقلی اور کلی

کوئی آدمی کرے یا نہ کرے وہ اصول اپنی جگہ ہے، اور جب کرے گا، تو انما لامرئ مانوی۔ اب اس سے منتفع ہونے کا وقت آیا تو یہ اصول درحقیقت عمل ہی ہے، اور پہلا اصول نظری۔

تیسری چیز اس کے بعد تیسری مثال جزوی دی کہ فمن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ فھجرتہ الی اللہ ورسولہ ومن کانت ھجرتہ الی دنیا یصیبھا او الی امرأۃ ینکحھا فھجرتہ الی ماھاجر الیہ ــــ تو ایک جزوی مثال، ایک عملی اصول ایک نظری اصول یہ تینوں اس حدیث میں جمع کر دئے گئے، اور مجموعہ سے یہ بات نکلی کہ عمل بغیر نیت کے ہوتا نہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، حتیٰ کہ دنیا میں بھی اگر کوئی مجرم ہو تو بعض اوقات گورنمنٹ کا قانون بھی کہتا ہے اور وکیل بھی کہتا ہے کہ حالات کا تقاضا ہے کہ اسکی نیت بری نہیں تھی، باقی عمل سرزد ہوگیا تو وہاں تو مدار ہی نیت پر ہے۔ اللہ کی حکومت میں تو اصل باطن ہی کو دیکھا جاتا ہے تو اس حدیث میں تین چیزیں بیان فرمادیں، اور مبدأ بیان کر دیا عمل کا اور دوسری حدیث میں کلمات ارشاد فرمادئے آخیر میں کہ وہ ثمرے سے تعلق رکھتی ہیں، سوال یہ ہے کہ آخر نتیجہ کیا نکلے گا تو اسے ظاہر فرمادیا کہ ثقیلتان فی المیزان خفیفتان علی اللسان ۔ یہ دو کلمے ایسے ہیں کہ زبان پر ہلکے اور میزان عمل پر بھاری ہیں، ہیں ہنسی میں اسکی ایک مثال دیا کرتا ہوں کبھی آپ نے یہ پاپڑ تو کھائے ہوں گے باریک باریک بنتے ہیں کبھی موم کے کبھی ویسے تو میں کہا کرتا ہوں خفیفتان علی اللسان، زبان پر ہلکے مگر معدے میں گئے تو بھاری ہو جاتے ہیں، گڑبڑ پیدا کر دیتے ہیں، یہ مادی غذاؤں میں اس کا مصداق ہے تو اللہ کے ہاں اعمال شریعت میں یہ دو پاک کلمات وہ ہیں کہ زبان پر ہلکے، ادائیگی میں کوئی دشواری نہیں اور نہ ان میں وقت لگے۔ اور میزان کو دیکھو تو وہ پر ہو جاتی ہے اجر و ثواب سے، تو امام بخاریؒ نے اپنی صنعت سے مبداء بھی بیان کر دیا اور منتہیٰ بھی، مصدر بھی اور مظہر بھی۔ اس واسطے میں نے یہ دو روایتیں پڑھیں کیونکہ یہ مجلس وعظ اور تقریر کی نہ تھی، درس کی تھی۔ تو ان دو حدیثوں کا کچھ ترجمہ پیش کر دیا اور اصل جو علوم ہیں اور کمالات ہیں وہ تو ہمارے مولانا ہی بیان فرمادیں گے آپ کے سامنے، اور علماء ہی کا حق ہے بیان کا، میں نے تو چند باتیں طالبعلمانہ عرض کر دیں کہ تعمیل حکم کے بغیر چارہ نہ تھا۔

دعا اب امید ہے آپ حضرات میرے لئے بھی دعا فرمادیں گے، اپنے لئے بھی اور حضرت مولانا (عبدالحق مدظلہ) کیلئے بھی دعا فرمادیں گے کہ جن کی وجہ سے یہ ساری بہار قائم ہے۔ اور یہ باغ و بہار آپکے سامنے ہے اور دارالعلوم دیوبند کو بھی دعا فرمادیں گے کہ اس کو اللہ نے ہمارے لئے ایک نادر علمی بنا دیا ہے، وہاں سے یہ سب گل کھل رہے ہیں اور یہ پھل پھول نکل کر سامنے آرہے ہیں اور حق تعالیٰ ہم سب کا انجام بخیر فرمادے ــ وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحبہ اجمعین ■

عالم اسلام

زندگی کے چوراہے پر

(ایک بلند پایہ تصنیف کا خلاصہ خود مصنف کے قلم سے)

پیش نظر مضمون عالم اسلام کے مایہ ناز مفکر اور داعی مولانا ابوالحسن علی ندوی نے حال ہی میں اپنی مطبوعہ کتاب "اسلامیت اور مغربیت میں کشمکش" کے حرف آخر کے طور پر لکھا ہے۔ اور گویا پوری تصنیف کا خلاصہ اور نچوڑ ہے جو پہلی بار شائع ہو رہا ہے۔ حضرت مولانا موصوف نے یہ حصہ اشاعت سے قبل "الحق" کیلئے ارسال فرمایا ہے۔ اس وقت عالم اسلام جن فکری تہذیبی اور ملی مشکلات میں گھرا ہوا ہے اور مغربیت تجدد اور الحاد و ارتداد کا سیلاب جس تیزی سے ہمیں اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے فاضل مضمون نگار نے نہ صرف اس سے نکلنے بلکہ مسلمانوں کی اپنی عظمت رفتہ کی بازیابی کی بھی نہایت درد و سوز سے نشاندہی فرمائی ہے۔ یہ پورے عالم اسلام کے لئے لمحۂ فکریہ ہے۔ کاش! اس سرود ازلی سے ہم بیدار ہوں اور پورے جوش اور ولولہ سے اپنی بربادی کی تلافی کرنے پر آمادہ ہو سکیں۔ (سمیع الحق)

★

یہ بات کتنی ہی تلخ اور ناخوشگوار ہو، لیکن یہ امر واقعہ ہے، کہ عالم اسلام مجموعی طور پر خود شناسی اور خود اعتمادی کی دولت سے محروم ہے۔ اس وسیع (اسلامی) دنیا میں جو ملک آزاد ہیں (خواہ وہ صدیوں سے آزاد چلے آ رہے ہوں، یا انہوں نے ماضی قریب میں آزادی حاصل کی ہو) وہ بھی ذہنی اور علمی حیثیت سے مغرب کے اسی طرح سے غلام ہیں، جسطرح ایک ایسا پسماندہ ملک غلام ہوتا ہے جس نے غلامی ہی کے ماحول میں آنکھیں کھولیں اور ہوش سنبھالا ہے۔ بعض اوقات ان ملکوں کے سربراہ سیاسی میدان میں قابل تعریف اور بعض اوقات خطرناک حد تک جرأت و ہمت کی بات کرتے

ہیں۔ اور بعض اوقات مہم جوئی اور اپنے ملک کی بازی تک لگا دینے سے باز نہیں آتے، لیکن فکری، تہذیبی اور تعلیمی میدان میں ان سے اتنی بھی خود اعتمادی، انتخاب کی آزادی، اور تنقیدی صلاحیت کا اظہار نہیں ہوتا، جتنی کہ کسی ایک عاقل، بالغ انسان سے توقع کی جاتی ہے، حالانکہ فلسفۂ تاریخ کا یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ فکری، تہذیبی اور تعلیمی غلامی، سیاسی غلامی سے زیادہ خطرناک، عمیق اور مستحکم ہوتی ہے۔ اور اسکی موجودگی میں ایک حقیقت پسند، فاتح قوم کے نزدیک سیاسی غلامی کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اس بیسویں صدی عیسوی کی آخری دہائیوں میں جب دنیا دو عظیم عالم گیر جنگوں سے گذر چکی ہے اور تیسری جہاں سوز جنگ کے بادل امنڈ رہے ہیں، اور کسی ملک کا کسی ملک کو غلام بنانا اور اسکی مرضی کے مخالف اس پر قبضہ رکھنا ایک ناقابلِ فہم اور ناممکن العمل سی بات سمجھی جانے لگی ہو، دنیا کی بڑی طاقتیں اب روز بروز سیاسی اقتدار کی بجائے ذہنی و تہذیبی اقتدار اور یکسانی و ہم رنگی پر قانع ہوتی چلی جائیں گی۔

مغرب کے اس ذہنی اور تہذیبی اقتدار اور اصولی و نظریاتی وحدت کو دنیا میں اگر کوئی طاقت دعوت چیلنج کر سکتی تھی، اور اسکی راہ میں رکاوٹ بن سکتی تھی، تو صرف عالمِ اسلام کی جداگانہ شخصیت، اسکی ذہنی و اخلاقی دعوت، اور اس کا فلسفۂ زندگی تھا، لیکن ایک طرف ان تاریخی عوامل کی بنا پر جن کی ہم نے کسی قدر تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" میں تشریح کی ہے۔ عالمِ اسلام مغرب کی ابھرتی اور پھیلتی ہوئی طاقت سے آنکھیں ملانے کے قابل نہیں رہا تھا، اور جو طبقہ اس دورِ انقلاب میں اسکی قسمت کا مالک بنا ہوا تھا، وہ جیسا کہ ہم نے ایک پچھلے باب میں بیان کیا ہے، تمام تر مغرب کا نہ صرف خوشہ چین، بلکہ دایۂ مغرب کا شیر خوار بچہ تھا، جس کا (ذہنی) گوشت پوست اسی کے دودھ، اور اسی کے خونِ جگر سے تیار ہوا تھا، دوسری طرف ان اسلامی ملکوں کے عوام و جمہور میں ایمان و عقیدہ کا جو اثر، اخلاقی رکھ رکھاؤ، معاشرتی روایات کا احترام، اور نفس کی ترغیبات کا مقابلہ کرنے کی جو بچی کھچی طاقت تھی (جس سے مغرب عرصہ ہوا محروم ہو چکا ہے۔) اسکو مغرب نے ان مختلف ذرائع سے، جن میں سے بعض بظاہر نہایت معصوم اور فیاضانہ ہیں، اور بعض نہایت مسموم اور مجرمانہ ہیں، ڈائنامیٹ کرنا شروع کر دیا ہے۔ تعلیمی میدان میں یونیسکو کی اعانت و سرپرستی اور ماہرینِ فن کی منصوبہ بندی کے ذریعہ کبھی مغربی اساتذہ اور ماہرینِ تعلیم کے ذریعہ، کبھی اس تشکیکی، انتشار پسند اور ہیجان انگیز لٹریچر کے ذریعہ جو ایک سیلاب کیطرح عالمِ اسلام میں پھیلتا جا رہا ہے۔ کبھی معیارِ زندگی بلند کرنے، اور زندگی کو خوشگوار، اور پُرمسرت بنانے کے بہانے ٹیلیویژن کو گھر گھر عام کرنے کے ذریعہ

اس طاقت کو برابر مفلوج کیا جا رہا ہے۔ کبھی ان پسماندہ ملکوں کو جو فیاضانہ امدادیں دی جاتی ہیں، ان کی شرائط کے طور پر ان ملکوں کی حکومتوں سے ایسی تبدیلیوں اور اصلاحات کا مطالبہ کیا جاتا ہے، جو ان مسلم عوام کا مزاج، اور ان کا نظامِ معاشرت بدل دینے کیلئے ایک کارگر حربہ ثابت ہوتی ہیں۔ غرض مغرب نے دور رہتے ہوئے بھی ان ملکوں کے گرد ایسا گھیرا ڈال دیا ہے۔ اور ایسے حالات پیدا کر دئے ہیں۔ کہ غلامی کے کہنہ اور فرسودہ طریقوں سے کہیں زیادہ یہ آزاد ملک مغربی طاقتوں کے پنجۂ اقتدار میں گرفتار ہیں، اور اکبر مرحوم کے اس پرانے شعر کی ایک، ایسی وسیع اور پراز حقیقت تشریح سامنے آرہی ہے جو شاید خود شاعر کے وہم دگمان میں نہ تھی سے

کس رہے ہیں اپنے منقاروں سے حلقہ جال کا طائروں پر سحر ہے، صیاد کے اقبال کا

ان تبدیلیوں یا "اصلاحات" کے نفاذ میں ان ملکوں کے سربراہ جن میں سے بعض اسلام کا دم بھی بھرتے ہیں بعض ایک عالمگیر اسلامی طاقت اور اسلامی بلاک کی باتیں بھی کرتے ہیں، اسطرح سرگرم اور مستور نظر آتے ہیں، جس سے زیادہ خود مغرب کے تجدد پسند نہیں ہو سکتے۔ جسطرح بے چون چرا امریکہ اور روس کے اصلاحی اور تعلیمی منصوبوں کو قبول کیا جا رہا ہے۔ جسطرح ان کے ماہرین فن کو ان ملکوں کے ذہن و مزاج کی تبدیلی کا نقشہ بنانے کی اجازت دی جا رہی ہے، جس جوش و خروش اور عزم و فیصلہ کے ساتھ ٹیلی ویژن کو (بغیر کسی بنیادی تبدیلی و اصلاح کے) گھر گھر پہنچانے کی کوشش کی جا رہی ہے، اور مختلف ذرائع سے اسکو زیادہ سے زیادہ قابلِ حصول بنایا جا رہا ہے۔ جسطرح مستشرقین کے بعض سعادت مند شاگردوں کو اسلامی معاشرہ میں تشکیک و انتشار پیدا کرنے کے وسائل اور مواقع فراہم کئے جا رہے ہیں جسطرح مختلف ذرائع سے تفریح و تعیش کا رجحان پیدا کیا جا رہا ہے، عورتوں کی غیر محدود آزادی و بے پردگی، مخلوط تعلیم، فلم سازی کی صنعت کی ہمت افزائی اور سرپرستی کی جا رہی ہے۔

اس سے شبہ ہوتا ہے، کہ یہ سربراہ ان مغربی طاقتوں کے (دانستہ یا نادانستہ) آلۂ کار اور ان کے تخریبی مقاصد میں ہم نوا تو نہیں بن گئے ہیں۔؟ اور کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ وہ ان عوام کو اس دینی غیرت، اخلاقی شعور، خیر و شر کی تمیز اور حیا و بے حیائی کے مفہوم ہی سے ناآشنا بنا دینا چاہتے ہیں۔ جو بعض اوقات ان کی انفرادی بے راہ روی، تجدد و مغرب پرستی کی راہ میں رکاوٹ بنتا رہتا ہے۔ اور جو کسی وقت بھی ایک دینی انقلاب، اور نشأۃ ثانیہ بن کر ان کے اقتدار کے لئے خطرہ بن سکتا ہے۔ یہ صاف نظر آرہا ہے کہ اگر تبدیلی یا "اصلاحات" کا یہ عمل چند برس اور جاری رہا، اور اخلاقی تخریب و انتشار کے ان وسائل کو کچھ عرصہ آزادی کیساتھ اپنا کام کرنے کا موقعہ ملا۔ تو ان ملکوں کی وہ نسل

جس میں نئے اثرات قبول کرنے کی پوری صلاحیت ہے، اتنی متاثر ہوجائے گی کہ وہ اس تجدد و مغربیت کی راہ میں کوئی قابلِ ذکر مزاحمت نہ کرسکے گی، جہاں تک اس نئی نسل کا تعلق ہے، جو اس ماحول میں پروان چڑھے گی، تو اس کے یہاں کسی مخالفت یا اختلاف رائے کا کوئی سوال ہی باقی نہیں رہے گا، اس کا بھی قوی خطرہ ہے (اور اس کے آثار ظاہر ہونے شروع ہوگئے ہیں) کہ ان ممالک کا ایک بڑا طبقہ بالخصوص مرفّہ الحال، اور با اختیار طبقہ اس اخلاقی جذام میں مبتلا ہوجائے گا۔ جس کا مغرب پوری طرح شکار ہوچکا ہے، اور پھر شاید پوری دنیا میں کوئی ایسا صحت مند معاشرہ ہی باقی نہیں رہے گا جس پر دنیا کی دوبارہ روحانی اور اخلاقی تطہیر کے کام میں اعتماد کیا جاسکے۔

جہاں تک مغرب کا تعلق ہے۔ وہ عالم اسلام کے بارے میں کبھی مخلص اور نیک نیت نہیں ہوسکتا، یہ اس پچھلی تاریخ کا بھی تقاضا ہے، جس پر صلیبی جنگوں کے گھنے سائے پھیلے ہوئے ہیں۔ اور سلطنت عثمانیہ، اور مغربی ممالک کی طویل اور خون ریز آویزش کی گہری چھاپ پڑی ہوئی ہے۔ یہ حقیقت پسندی اور عقل عملی کا بھی تقاضا ہے کہ صرف عالم اسلام ہی میں مغرب کے عالم گیر اقتدار کو چیلنج کرنے اور ایک ایسا نیا بلاک بننے کی صلاحیت پائی جاتی ہے جسکی بنیاد جداگانہ فلسفۂ زندگی اور عالم گیر دعوت پر ہو یہ اُن قدرتی وسائل اور ذخائر کی قدر و قیمت کے احساس کا بھی نتیجہ ہے جو عالم اسلام کے مختلف گوشوں میں بڑی افراط اور فراوانی کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ اور جو مغرب کے صنعتی و تجارتی، نیز سیاسی اقتدار کے لئے بڑی اہمیت اور بعض اوقات فیصلہ کن حیثیت رکھتے ہیں۔ اور آخر میں یہ انسانی فطرت کی ایک کمزوری کا تقاضا بھی ہے کہ اکثر انسان جب ایک لاعلاج مرض میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کو اس سے تسکین ہوتی ہے۔ کہ دوسرے بھی اس کے شریک حال ہوجائیں، اور تندرست و بیمار کے درمیان جو فرق ہے وہ مٹ جائے۔ انسانی فطرت کی اس کمزوری سے وہی لوگ محفوظ رہتے ہیں، یا اس پر غالب آجاتے ہیں، جن کے اندر پیغمبروں کی تعلیم کے اثر سے سچی خداترسی اور صحیح انسانیت دوستی پیدا ہوجاتی ہے، اور بدقسمتی سے مغرب صدیوں سے اس دولت سے محروم ہوچکا ہے، مغربی اقتدار اور فتوحات کی تاریخ صاف بتاتی ہے کہ جن ملکوں کو اس کے زیرِ سایہ آنے کا موقعہ ملا، ان کو وہ اخلاقی چھوت ضرور لگ گیا جو مغرب کے نقیبوں کے ساتھ ساتھ چلتا تھا۔ اور جیسا کہ بعض جری اور منصف مزاج مغربی مصنفین و ناقدین کا بیان ہے، مغرب کی سامراجی طاقتوں نے مشرقی ممالک میں اخلاقی انتشار پھیلانے اور تشکک پیدا کرنے کی منظم کوششیں کیں۔ مسیحیت کا حلقہ بگوش مغرب مسیحیت کے بارے میں خواہ کتنے

ہی متشکک وارتیابی (AGNOSTIC) واقع ہوا ہو، مسیحی عقائد کے بارے میں اسکی روشن خیالی ووسیع النظری خواہ الحاد و زندقہ کے حد تک پہنچی ہوئی ہو، لیکن مسلم اقوام اور عالم اسلام کے معاملہ میں وہ کٹر مسیحی واقع ہوا ہے۔ وہ اس کے معاملہ میں اپنے جنم دشمن اور خون کے پیاسے یہودیوں تک سے مصالحت کر سکتا ہے، اور ان کو مسلمانوں پر کھلی ترجیح دے سکتا ہے۔ اس مذہبی تعصب کے علاوہ جو اسکی گھٹی میں پڑا ہوا ہے، اور جو تقریباً اس کا مزاج بن چکا ہے، اس کو اپنا مفاد بہر حال ہر چیز سے عزیز ہے۔ یہ بارہا کا تجربہ ہے کہ کسی اسلامی طاقت کی جب کسی غیر اسلامی طاقت سے ٹکر ہوئی تو اس نے ہمیشہ غیر اسلامی طاقت کا کھل کر ساتھ دیا اسکی درپردہ مدد کی، جون ۱۹۶۷ء کے عرب و یہود تصادم نے اس بات کو روز روشن کیطرح ثابت کر دیا کہ مسلمانوں کے کسی ملت یا جماعت کو کسی مغربی یا مشرقی بلاک سے کسی مخلصانہ مدد اور مکمل رفاقت کی امید نہیں رکھنی چاہیئے، اسکو ہر اقدام اور فیصلہ کے وقت خدا کے بعد اپنے ہی دست و بازو اور اپنے ہی وسائل پر اعتماد کرنا چاہیئے۔

[جہاں تک اسلامی ملکوں کے سربراہوں اور رہنماؤں کا تعلق ہے، ان کو سمجھنا چاہیئے، کہ اس اندھا دھند تجدد و مغربیت اور تشکک و انتشار سے خواہ وقتی طور پر ان کو اور ان کے جانشینوں کو فائدہ پہنچے۔ مجموعی طور پر ملت کو ایسا نقصان پہنچے گا، اور اس کی جڑیں اسطرح ہل جائیں گی، کہ صدیوں تک اسکی تلافی نہ ہو سکے گی۔]

ان قوموں میں اپنی ساری کمزوریوں، اور خرابیوں کے باوجود وہ طاقتور ایمانی جذبہ، اللہ کے نام پر ایثار و قربانی کی صلاحیت، اطاعت اور انقیاد کا ولولہ اور خلوص و محبت کی گرم جوشی پائی جاتی ہے، جن سے تقریباً دنیا کی تمام مادہ پرست قومیں محروم ہو چکی ہیں، اسلامی ملکوں کے یہ عوام اپنی قابل افسوس جہالت اور پسماندگی کے باوجود وہ بہترین مواد خام ہیں، جن سے بہترین انسانی نمونے اور ماڈل تیار کئے جا سکتے ہیں۔ ان کی سب سے بڑی طاقت ان کا ایمان و خلوص، اور ان کی سادگی و گرمجوشی ہے۔ اس طاقت نے بارہا محیر العقول کارنامے انجام دئیے ہیں، اور بعض اوقات ناممکن کو ممکن بنا دیا ہے۔ اور جب کبھی ان ملکوں پر کوئی نازک وقت آیا ہے، تو مسلم عوام کا یہی ایمانی جذبہ اور خلوص و سادگی کام آئی ہے۔ خالص حقیقت پسندی اور واقعیت کی بنیاد پر بھی اس طاقت کی قدر کرنی چاہیئے، اور اسکو اپنے ملکوں کی حفاظت و استحکام اور دنیا میں کوئی بڑا رول ادا کرنے کے لئے اپنا سب سے بڑا سہارا اور ذخیرہ سمجھنا چاہیئے، لیکن اس تجدد و مغربیت کے اثر سے

ان عوام کی اس طاقت کو وہ گھن لگتا جا رہا ہے۔ اور ان کے اندر ایک ایسا اخلاقی کینسر پیدا ہو رہا ہے جو ناقابل علاج ہے۔

مغرب کے ناقابل انکار علمی و صنعتی تفوق کو سامنے رکھ کر جس سے آنکھیں بند کر لینا نہ عقل کا تقاضا ہے نہ مذہب کی تعلیم، اور نہ عملاً ممکن، عالم اسلام کے سامنے صرف دو راستے رہ جاتے ہیں، ایک تو یہ کہ اس سے مسحور ہو کر اس کے پورے فلسفۂ زندگی، اس کے تصور کائنات، اس کے مابعد الطبیعاتی عقائد و تصورات، اس کے عمرانی و اجتماعی نظریات، اس کے اخلاقی نقطۂ نظر اور اس کے مسلک زندگی کو جوں کا توں قبول کر لیا جائے۔ اور اپنی ہستی کو اس کے سانچہ میں یکسر ڈھال دینے کی کوشش کی جائے۔ یہ اس حقیقت سے قطع نظر کہ یہ ایک مکمل اور ہمہ گیر ارتداد، اور روحانی و ذہنی خودکشی کے مرادف ہوگا، اور اس انسانیت کے ساتھ غداری اور بے وفائی جس کی آخری آس نبی خاتم کی اسی امت سے لگی ہوئی تھی، ایک ایسی غیر ضروری محنت اور سعی لاحاصل ہے، جس کا نتیجہ طویل و خون ریز ذہنی کشمکش، روحانی بے چینی، انسانی طاقتوں کے ضیاع، اور اضاعت وقت کے سوا کچھ نہیں، یہ ایک ایسی ہی بنائی مستحکم عمارت کی تخریب ہے، جس کے ملبہ پر دوسری عمارت تعمیر کرنے کے لئے نہ مواد خام موجود ہے، نہ تعمیری صلاحیتیں، نہ آب و ہوا اور ماحول سے مناسبت نہ ماضی سے ارتباط، عالم اسلام کے جن جن گوشوں، اور جن اسلامی ملکوں میں یہ کوشش کی گئی ناکام رہی، اور جب بھی اس مصنوعی اور غیر طبعی اقتدار کی گرفت ڈھیلی ہوئی، اور عوام کو اپنی پسند اور ناپسند کے اظہار کا موقعہ ملا، انہوں نے فوراً اس جھول کو اتار پھینکا جو نہ ان کے جسم پر قطع ہوئی تھی، اور نہ ان کے مزاج کے مطابق تھی، آج ترکی میں یہی نظر آ رہا ہے، اور مصر و شام میں بھی عنقریب یہی پیش آنے والا ہے۔

دوسرا راستہ یہ ہے کہ مغرب سے علم و صنعت، ٹکنالوجی اور سائنس، اور ان علوم و تحقیقات میں جن کا تعلق تجربے، حقائق و واقعات، اور انسانی محنت و کاوش سے ہے، فراخ دلی کے ساتھ استفادہ کیا جائے، پھر ان کو ان مقاصد کے لئے اپنی خداداد ذہانت اور اجتہاد کیساتھ ان اعلیٰ مقاصد کا تابع اور خادم بنایا جائے جو آخری نبوت اور آخری صحیفہ نے ان کو عطا کئے، اور جن کی وجہ سے ان کو خیر امت، اور آخری امت کا لقب ملا ہے، وسائل اور مقاصد کا یہ خوشگوار امتزاج جس سے سر دست مغرب بھی محروم ہے اور مشرق بھی۔ کہ مغرب تنہا قاہر وسائل کا سرمایہ دار ہے، اور صالح مقاصد میں محض تہی دامن اور مشرق (اسلامی) صالح مقاصد کا واحد اجارہ دار ہے۔

اور موثر وسائل سے یکسر محروم، مغرب گو سب کچھ کر سکتا ہے، لیکن کرنا نہیں چاہتا، اور صحیح الفاظ میں کرنا نہیں جانتا، اسلامی مشرق کرنا سب کچھ چاہتا ہے، لیکن کر کچھ نہیں سکتا۔ یہ صحت مند و صالح امتزاج دنیا کی قسمت بدل سکتا ہے، اور اسکو خودکشی و خودسوزی کے راستہ سے ہٹا کر فلاحِ دارین، اور سعادتِ ابدی کے راستہ پر ڈال سکتا ہے، یہ ایسا کارنامہ ہوگا جو تاریخ کے دھارے اور دنیا کی قسمت کو بدل کے رکھ دے گا۔ یہ کارنامہ وہی امت انجام دے سکتی ہے جو آخری پیغمبرؐ کی جانشین اور اسکی تعلیمات کی حامل و امین ہے۔ اس بنا پر عالمِ اسلام کا حقیقی نعرہ جس سے اس کے دشت و جبل گونجنے چاہئیں یہ ہے کہ ؂

عالم ہمہ ویرانہ ز چنگیزیِ افرنگ   معمارِ حرم باز بہ تعمیرِ جہاں خیز

مشرق کے ایک باہمت اور حوصلہ مند ملک جاپان نے اس اقدام کا ایک نہایت محدود اور اسلامی نقطۂ نظر سے بہت پست معیار کا تجربہ کیا، اس نے مغرب سے علم و صنعت میں ایسا استفادہ کیا، کہ استاد و شاگرد میں فرق کرنا مشکل ہوگیا۔ اسی کے ساتھ اس نے اپنے معتقدات اور اپنے تہذیبی خصائص و روایات قائم رکھے، لیکن بدقسمتی سے اس کے مذہبی معتقدات اور اسکی تہذیب نہ زمانۂ حال سے کوئی مطابقت رکھتی ہے۔ نہ اس کے اندر افادیت اور انسانی خدمت کا کوئی پہلو ہے۔ نہ اس میں عالمگیر پیام بننے کی صلاحیت ہے، یہ چند کہنہ اور فرسودہ معتقدات و روایات کا ایک مجموعہ ہے جس کو جدید جاپان اپنے سینہ سے لگائے ہوئے ہے۔ اور یہ اسکی قوتِ ارادی اور اپنے ماضی سے وابستگی کا کرشمہ ہے کہ اس نے اسکو ابھی تک ترک نہیں کیا ہے۔ لیکن اسلامی ممالک کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے، اس کے پاس ایسا دین، ایسی شریعت اور ایسا قانون ہے، جس کے لئے قدیم و جدید کی اصطلاح بے معنی ہے۔ ایسی تہذیب جس کی اساس حقائقِ ابدی پر ہے، یہ ایک سدا بہار درخت ہے، جو کسی وقت بھی نمو کی طاقت اور برگ و بار لانے کی صلاحیت سے محروم نہیں ہوتا۔ اس بنا پر ان ممالک کے لئے جدید علم و صنعت اور اپنے ابدی عقائد و حقائق کے درمیان اتحاد و تعاون پیدا کرنے میں قطعاً کوئی زحمت پیش نہیں آسکتی، اور اس کے نتائج اس سے کہیں زیادہ انقلاب انگیز اور عالمگیر اثرات رکھنے والے نکل سکتے ہیں، جتنے کہ جاپان کے اس تجربہ سے برآمد ہوئے۔ جاپان اور ہر روایت پرست ملک میں یہ کوشش شیشہ و آہن اور پنبہ و آتش کی باہم آمیزی کی کوشش کے مرادف ہے، لیکن ایک مسلمان کے نزدیک اس میں کوئی تضاد و تناقض نہیں ہے۔ اس کے نزدیک دین صحیح اور علم صحیح

کا ٹکراؤ ممکن نہیں، اور اس کے نزدیک حکمت مومن کا گم شدہ مال ہے۔ اور وہی اس کا حقیقی مالک ہے۔ اس کے نزدیک وسائل کے خیر و شر ہونے کا فیصلہ اس پر منحصر ہے کہ وہ کن مقاصد کے ماتحت استعمال ہوتے ہیں، اس کے نزدیک ہر طاقت، ہر تحقیق، ہر علم، ہر مؤثر ذریعہ اسی لئے ہے کہ وہ خدا کے دین کے لئے استعمال ہو، اور مخلوق کے فائدے کے کام آئے، اس کا فرض ہے کہ وہ اسکو غلط محل سے نکال کر صحیح محل میں استعمال کرے۔ اور اس کو تخریب کے بجائے تعمیر کا ذریعہ بنائے لیکن اس کام کے لئے وہ ذہانت "جرأت اندیشہ" اور وہ ایمان و خلوص درکار ہے جو ہر تقلیدی رجحان، ہر چلے ہوئے نعرے اور فیشن، اور ہر شخصی و جماعتی مفاد کا مقابلہ کر سکے۔ جس کی خاطر ہمارے اسلامی ملکوں کے سربراہ، اُس سب ایثار و قربانی پر آمادہ ہوں، جو اس کے لئے مطلوب ہے، اور جس کے نتیجہ یا انعام کے طور پر اوّلاً ان کو اپنے ملکوں میں محبوبیت کا وہ مقام حاصل ہوگا جو اور کسی ذریعہ سے ان کو حاصل نہیں ہو سکتا، پھر ان کو اور ان کے ذریعہ ان کے ملکوں کو ہدایت و امامت کا وہ منصب رفیع میسر آئے گا جس کا وہ ابھی خواب بھی نہیں دیکھ سکتے۔ مغربی تہذیب کو پورے طور پر گھن لگ چکا ہے، وہ اب محض اپنی صلاحیت اور زندگی کے استحقاق کی بنا پر نہیں جی رہی ہے، بلکہ اس لئے کہ بدقسمتی سے کوئی دوسری تہذیب اسکی جگہ لینے کے لئے تیار نہیں۔ اس وقت جتنی تہذیبیں یا قیادتیں ہیں، یا مغربی تہذیب کی لکیر کی فقیر اور اسکی ایک روکھی پھیکی تصویر ہیں یا اتنی کمزور اور شکست خوردہ ہیں کہ اس سے آنکھیں نہیں ملا سکتیں، اب اگر اسلامی ممالک اور عالم اسلام مجموعی طور پر اس خلا کو پُر کرنے کی صلاحیت پیدا کر سکے جو مغربی تہذیب کے خاتمہ سے عالم انسانی میں پیدا ہوگا، تو اس کو دنیا کی امامت کا دوبارہ منصب تفویض کیا جا سکتا ہے جو سنۃ اللہ کے مطابق ایک جری و قوی اور تازہ دم ملت یا قیادت کے سپرد کیا جاتا رہا ہے۔

اب ان قائدین کو یہ فیصلہ کرنا چاہیئے کہ کیا مغرب کی دائمی غاشیہ برداری اور کشکول گدائی مناسب ہے۔ یا دنیا کی رہنمائی کا منصب عالی، اور عالم انسانی کی ہدایت کی مسند رفیع جس سے (نبوت کے بعد) بڑھ کر کوئی سرفرازی اور سربلندی نہیں، کیا اس کے لئے ظاہری نام و نمود، عہدہ منصب، لذت و راحت اور مادی و جسمانی ترغیبات کی قربانی کوئی حقیقت رکھتی ہے، اگر اس کے لئے سو جانیں بھی قربان کی جائیں تو درحقیقت گھاٹے کا سودا، اور زیان و نقصان کا معاملہ نہیں ؎

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

اب دیکھنا یہ ہے کہ کونسا اسلامی ملک اس کار عظیم کی ہمت کرتا ہے، جس سے زیادہ انقلاب انگیز

عہد آفرین اور حیات بخش کوئی کام اس دور میں نہیں ہو سکتا، اور جس کے سامنے یورپ کی نشاۃ ثانیہ، انقلاب فرانس اور روس کا فلسفۂ اشتمالیت اور مارکسی دعوت ذکر کرنے کے قابل بھی نہیں، اس میں ذہانت و جرأت کا جو عنصر اور حیات آفرینی و انقلاب انگیزی کی جو صلاحیت مضمر ہے، اس سے نہ صرف ان ممالک کو جن میں یہ تجربہ کیا جائیگا، بلکہ پورے عالم انسانی کو فکر و عمل کا جو نیا میدان ہاتھ آئیگا، اور راستی و سلامتی کی جو راہ ملے گی، اسکو سامنے رکھتے ہوئے وہ پچھلے انقلابات ایک جرأت رندانہ اور ایک حرکت طفلانہ سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے، یہ کارِ عظیم صرف وہی اقوام و ملل اور وہی جماعتیں و افراد انجام دے سکتے ہیں جو ملتِ ابراہیمی کے حلقہ بگوش ہیں، اور جو تکمیل دین، اور ختم نبوت کے انعام و مژدہ سے سرفراز ہو چکے ہیں، آج عالم اسلام کے تمام قائدین کے لئے سرودِ ازلی ہے کہ ــــ وجاهدوا في الله حق جهاده هو اجتباكم وما جعل عليكم في الدين من حرج ملة ابيكم ابراهيم هو سماكم المسلمين من قبل وفي هذا ليكون الرسول شهيداً عليكم وتكونوا شهداء على الناس فاقيموا الصلوة وآتوا الزكوة واعتصموا بالله هو مولكم فنعم المولى ونعم النصير (سورہ الحج)

ــــــــ *

ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی تازہ ترین تصنیف
اسلام
اور اس کے دیگر مضامین
کے چند اور اہم اقتباسات

ڈاکٹر صاحب کے ملحدانہ نظریات اور ان کی کتاب "اسلام" کے کچھ اقتباسات اکتوبر کے شمارہ میں دیئے جا چکے ہیں۔ یہاں ان کی کتاب اور مضامین سے چند اور اہم اقتباسات پیش کئے جا رہے ہیں۔

★

نبوت یعنی آپ کی اخلاقی حس کا ارتقاء اور اخلاقی تجربوں (وحی) کا آغاز ★

ہمیں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ آپ اپنی اخلاقی حس سے مجبور ہو کر وقتاً فوقتاً مکہ سے باہر غار حرا میں عزلت گزیں ہو جاتے تھے اور طویل عرصہ تک عبادت و ریاضت اور غور و تدبر میں مصروف رہا کرتے تھے اور اخلاقی تجربہ کا یہ باطنی عمل اس وقت انتہا کو پہنچا جب اسی حالت استغراق میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تبلیغِ اسلام کا حکم دیا۔ (فکر و نظر بابت اگست ۶۷ء ص ۸۹، ۹۰ ترجمہ باب اوّل اسلام)

تاریخی حقیقت یہودیوں اور عیسائیوں سے اثر پذیری

بہت سے مصنفوں نے اس تاریخی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اسلام کے ظہور سے قبل یہودی اور عیسائی اثرات کے باعث عربوں کے اندر ایک مذہبی اور روحانی اضطراب پیدا ہو چکا تھا۔ اور اس اضطراب کے نتیجہ میں بعض لوگ عربوں کے مشرکانہ عقائد سے بیزار ہو کر توحید کے تصور سے آشنا ہو چکے تھے۔ (حوالہ سابق)

رسول اللہ نے یہودی اور عیسائی روایات سے کچھ عناصر لئے ہیں

دیگر مصنفین اس استدلال کو کچھ اور آگے لے جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے توحید کے علاوہ یہودی، عیسائی روایات سے کچھ اور عناصر مستعار لیکر عربوں کیلئے ایک قومی مذہب کی تشکیل کی۔ (حوالہ سابق)

معنّف کے نزدیک ہر دو نظریئے صحیح اور تاریخی حقائق پر مبنی ہیں

لیکن یہ دلیل کہ اسلام سے پہلے عرب میں مذہبی بیداری کی لہر جو آئی تھی وہ اسلام کی تعلیمات پر اثر انداز ہوئی۔ نیز یہ دعوٰی کہ اسلام نے عربوں کی اس توسیع کے لئے ایک نیا موقعہ فراہم کیا جو زمانہ اسلام سے بہت پہلے پیدا ہو چکی تھی، یقیناً قابل توجہ ہیں۔ کیونکہ ان دلائل میں تاریخ کے بعض واقعات سے استشہاد کیا گیا ہے۔ یہ دونوں نظریات یکسر بے بنیاد نہیں ہیں کیونکہ جن واقعات سے ان میں استشہاد کیا گیا ہے وہ فی نفسہ صحیح ہیں۔ (حوالہ سابق ص ۹۰، ۹۱)

نبوت وحی اور فرشتۂ وحی کا موجودہ تصوّر مسلمانوں کی خود ساختہ روایات پر مبنی ہے۔

نبوت اور الہام نبوی کا یہ تصور کہ نبی کے شعور کی سطح معمول کے مطابق ہوتی تھی ہمارے راسخ العقیدہ علمانے واضح طور پر بہت بعد میں قائم کیا۔ پھر جب زمانہ مابعد میں نبوت کا یہ تصور قائم کر لیا گیا تو اس کے بعد اس تصوّر کی قصداً اشاعت کی گئی۔ مقصد یہ تھا کہ وحی الٰہی کی معروضیت اور فرشتہ وحی کی خارجیت کا اثبات یعنی اس تصور کا کہ یہ وحی کوئی داخلی الہام نہ تھا بلکہ خارج سے ایک آواز آتی تھی یا فرشتہ خدا کی طرف سے پیغام لاتا تھا۔ (حوالہ سابق ص ۹۳)

شق صدر کا واقعہ ایک افسانہ ہے

زمانہ مابعد میں روایات کے ذریعہ اس حقیقت کو — شرح صدر کو جو سورۃ الم نشرح میں مذکور ہے — ایک افسانہ کا رنگ دے دیا گیا جس میں بتایا گیا ہے کہ جبرئیل نے آپ کا سینہ کھول کر اسے آلائشوں سے پاک کیا۔ (حوالہ سابق ص ۹۸)

قرآن میں مذکور انبیاء سابقین کے حالات و واقعات کا مواد کہاں سے اخذ کیا گیا ہے۔؟

ان تفصیلات (قرآن میں مذکور انبیاء سابقین کے حالات و واقعات) کی تاریخی صحت کس درجہ کی ہے۔؟ یعنی انبیاء سابقہ کے واقعات و حالات سے جو زمانہ ماقبل اسلام (میں) زبان زد عام تھے، یہ تفصیلات کہاں تک مطابقت رکھتی ہیں۔؟ یہ سوال دلچسپ تو ضرور ہے لیکن مشکلات سے لبریز بھی ہے۔ نیز رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیغام کی اہمیت و معنویت کا اندازہ کرنے کے لئے یہ سوال کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا کہ قرآن نے انبیاء سابقہ کے جن

حالات و واقعات کا ذکر کیا ہے ۔ ان کا مواد کہاں سے اخذ کیا گیا تھا۔؟
(ماہنامہ فکر و نظر بابت ماہ اگست ترجمۂ اسلام باب اوّل ص ۹۷)

اسلام میں شفاعت کا عقیدہ عیسائیوں کے عقیدۂ کفارہ کا جواب ہے

اسی طرح مسلمانوں کے ہاں شفاعت کے مشہور عام عقیدہ نے جو شکل اختیار کی وہ عیسائیوں کے کفارہ کے عقیدہ کا جواب ہے (حوالہ سابقہ)

نزول عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ اسلام میں کیونکر اور کب سے آیا

جب اپنے زمانہ کی سیاسی زندگی میں عوام الناس نے اپنی روحانی امنگوں اور باطنی تمناؤں کی تکمیل کا سر و سامان نہ پایا تو ان میں تیزی سے یہ تصور پھیلا۔ ع مردے از غیب بروں آید و کارے بکند

"نجات دہندہ کے انتظار کی ایک شکل مسیح موعود علیہ السلام کی آمد ثانی (نزول) کا عقیدہ تھا جو عیسائیت سے "مستعار" لیا گیا۔ اور کچھ عرصہ بعد اہل السنت والجماعت کے عقائد کا جزو بن گیا۔ (فکر و نظر ج ۶ ش ۱۲ ص ۱ جولائی ۱۹۶۴ء)

اسلام میں "آمد مہدی رض" کا عقیدہ

اس کی دوسری شکل وہ تھی جس نے شیعی حلقوں میں جنم لیا اور شروع کے "صوفیا" کی کوششوں سے اہل سنت کے عقائد میں جگہ پائی۔ یہ تھا "مہدیت" کا عقیدہ۔ (حوالہ سابق)

اسلام میں بہت سے معجزے رسول اللہ کیطرف منسوب کرکے آپ میں شانِ ایزدی پیدا کی گئی

قرآن مجید کی واضح تعلیمات کے بالکل برخلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف کثیر التعداد معجزات منسوب کرکے آپ میں ایک حد تک شانِ ایزدی پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے (فکر و نظر ص ۲۱)

خود قرآن نے بھی آپ کی "الوہی شخصیت" کو محیط کل (اللہ تعالیٰ) سے جا ملایا (یعنی خدا بنا دیا۔)

قرآن مجید نے کئی جگہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض آفاق گیر روحانی مشاہدات (معجزات) کا ذکر کیا ہے، جس میں آپ کی "الوہی شخصیت" "طبعی حدود" سے بلند و بالاتر ہو کر حقیقت اولیٰ کے محیط کل (اللہ تعالیٰ) سے جا ملتی ہے۔ (حوالہ سابق)

مذہب دنیوی اور سائنسی ذہنیت کا دشمن ہے

یہ سوال کہ خالص دنیوی عقلیت اور سائنسی ذہنیت کتنی دور تک، اور کتنی گہری قبول ہو سکتی ہے۔ اگر روایتی مذہبی تصورات و اعمال اس سے نہایت سختی سے الگ رکھے جائیں، کافی سوچ میں ڈالنے والا ہے۔ تجربہ یہ بتلاتا ہے کہ یہ کبھی قابل قبول نہیں ہو سکتی جب تک کہ مذہب کو زندگی پر قطعی طور سے اپنی گرفت ڈھیلی کرنیکی اجازت نہ دی جائے۔ (حوالہ سابق ص ۱۵)

علماء اسلام "لادینی" (سیکولرازم) پھیلانے کے ذمہ دار ہیں

۱۔ علماء اسلام کا یہی (عقائد و احکام اسلامی پہ اڑنا) وہ نقطۂ نظر ہے جو اسلامی دنیا میں سیکولرازم ، لامذہبیت کے پھیلنے کا براہ راست ذمہ دار ہے۔ (حوالہ سابق ص ۱۶)

۲۔ واقعہ یہ ہے کہ جدید زندگی اور روایتی اسلام کے درمیان ٹکراؤ کے اس تمام عرصہ میں علماء کی اکثریت کی طرف سے جس نقطۂ نظر کا اظہار ہوتا رہا ہے وہ حقیقت میں سیکولرازم کا براہ راست ممد و معاون ہے۔ (حوالہ سابق ص ۱۷)

علماء پاکستان لادینی (سیکولرازم) کے مخالف

لیکن یہی وہ سوال ہے — یعنے اسلام کی "نئی تعبیر" کی دریافت — جس کا ذہنی طور پر حل تلاش کرنے میں سرکاری پالیسی مایوس کُن رہی ہے۔ اولاً ہمیں تسلیم کرنا چاہیئے کہ اس طرح کے تمام مسائل — جیسے اقلیتوں کے ساتھ کیا سلوک ہو۔ ؟ صنعتی اور تکنیکی تبدیلی سے جو معاشرتی نتائج نکلیں گے ان کے پیش نظر ترقیاتی پروگرام کیا ہوں — ایک سیکولر (لادینی) مملکت میں زیادہ آسانی سے دستیاب ہو سکتے ہیں، کیونکہ سیکولرزم (لادینیت) تو ہے ہی "روایتی رکاوٹوں" اور "تعصبات" سے نجات پانے کے لئے ایک جرأت مندانہ قدم، خواہ اس کے لئے کتنی بھی بڑی قیمت ادا کرنی پڑے۔ اب چونکہ پاکستان ایک "اسلامی مملکت" ہے۔ اس لئے اسے ان مسائل کے حل کرنے کے لئے بڑی مشکلات ہیں۔ (حوالہ سابق ص ۲۴)

موجودہ مذہب اسلام صرف تعزیروں اور پابندیوں کے مجموعہ کا نام ہے "جو حیات آفرینی" سے قطعاً نا آشنا ہے

لیکن جب اسلام کا پہلا توسیعی دور ختم ہوا تو بدقسمتی سے شریعت کی پاسبانی ان لوگوں کے ہاتھوں میں آئی جنہوں نے اسلام کے بنیادی اور مثبت رُخ سے بالکل بے اعتنائی برتی اور معاشرہ کی ترقی و خوشحالی کو یکسر فراموش کر دیا، ان کے قانونی نظام میں صرف تعزیریں اور پابندیاں ہی نظر آتی ہیں، ان میں حیات آفرینی کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ (فکر و نظر ج ۲ ش ۲ ص ۹۱)

موجودہ اسلام مغز سے محروم پوست اور روح سے عاری ڈھانچہ ہے

چند صدیوں کے بعد ہی اسلام کا تاریک دور شروع ہو گیا، مسلّمہ عقائد کے حامیوں کے پاس اسلام ضرور بچ گیا مگر کس حال میں ؟ محض پوست، مغز سے محروم ایک ظاہری رسمی ڈھانچہ روح سے عاری۔

قدیم سنّتِ رسول کے مشمولات میں ایسے بیرونی عناصر بھی شامل ہیں جن کا ماخذ یہودی روایات اور بازنطینی و ایرانی انتظامی معاملات ہیں۔ اور ان سب کو خود رسول اللہ کیطرف منسوب کر دیا گیا ہے۔

سنت کا ایک بڑا حصہ قدیم فقہاء اسلام کے آزادانہ غور و فکر کا نتیجہ ہے جنہوں نے اپنے ذاتی اجتہاد کی بناء پر موجودہ سنت یا تعامل کو سامنے رکھ کر استنباط و استخراج سے کام لیا ان میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ ان قدیم فقہاء نے نئے نئے بیرونی عناصر کو بھی اس میں شامل کر لیا ہے جن کا ماخذ بالخصوص یہودی روایات اور بعض بازنطینی و ایرانی انتظامی معاملات تھے۔ اور آخری بات یہ کہ جب دوسری صدی کے اواخر میں اور تیسری صدی کے دوران حدیثوں کے رواج نے ایک ملت گیر تحریک کی صورت اختیار کر لی اور وہ ایک وسیع پیمانہ کا مظہر بن گئی، تو پرانی سنّت کے یہ تمام مشمولات خود رسول اللہ کی طرف زبانی منسوب کر دیئے گئے اور سنت رسول کے نظریہ کی پناہ حاصل کر لی گئی۔ (ج ا ش اص ۱۲،۱۱)

بلاتنقید و تبصرہ

کیا یہ لٹریچر قابلِ ضبط نہیں۔؟

یہ پرویزی اسلام ہے

"مسٹر غلام احمد پرویز بی۔ اے پنشنر حکومت پاکستان کے اسلامی معتقدات"

ایران کے بادشاہ پرویز کا نام آپ نے یقیناً سنا ہوگا۔؟ یہ وہی نالائق شخص تھا جس نے مارے غصہ کے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ گرامی کو جو آپؐ نے دعوتِ اسلام کے سلسلہ میں اس کو بھیجا تھا، نہایت گستاخی کے ساتھ چاک کر دیا تھا۔ آج آپ کے ملک میں بھی اُسی کا ہمنام پرویز موجود ہے جو بعینہٖ وہی کام انجام دے رہا ہے جو سابق پرویز نے انجام دیا تھا یہ بھی چاہتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک تعلیم کا ایک ایک نقش دنیا کے پردہ سے مٹا ڈالے۔ آپ اس کے عقائد و نظریات خود اس کے قلم سے سنئے اور فیصلہ کیجئے کہ کیا یہی اسلام ہے؟ اور کیا یہ لٹریچر اس قابل ہے کہ اسے قومی اور انتظامی اداروں اور اہم تعلیمی مراکز و دفاتر میں نہ صرف موقعہ دیا جائے، بلکہ اس کے لئے سہولت بہم پہنچائی جائے۔؟

اللہ و رسول ۱۔ اللہ، رسول سے مراد ہے مرکز ملت۔ (CENTRAL AUTHORITY) اور اولی الامر سے مراد افسرانِ ماتحت۔ (معارف القرآن از پرویز ج ۴ ص ۶۲۶ شائع کردہ ادارہ طلوعِ اسلام کراچی)

۲۔ قرآن کریم میں جہاں اللہ اور رسول کا ذکر آیا ہے اس سے مراد مرکز نظام حکومت ہے۔ (معارف القرآن ص ۶۲۳ ج ۴)

۳۔ بالکل واضح ہے کہ اللہ و رسول سے مراد مرکز حکومت ہے۔ (معارف القرآن ج ۴ ص ۶۲۴)

۴۔ اللہ و رسول سے مراد ہی مرکز ملّت ہے۔ (معارف القرآن ج ۴ ص ۶۵۴)

۵۔ اللہ و رسول سے مراد مسلمانوں کا "امام" ہے۔ (معارف القرآن ج ۴ ص ۶۲۴)

۶۔ بعض مقامات پر اللہ اور رسول کے الفاظ کے بجائے قرآن اور رسول کے الفاظ بھی آتے ہیں، جن کا مفہوم بھی وہی ہے یعنی مرکز ملت جو قرآنی احکام کو نافذ کرے۔ (معارف القرآن ج ۴ ص ۹۳)

۷- قرآن کریم میں مرکز ملت کو اللہ اور رسول کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا۔ (معارف القرآن ج ۴ ص ۶۳۴)

اللہ اور رسول کی اطاعت | ۱- اللہ اور رسول کی اطاعت سے مراد "مرکزی حکومت کی اطاعت ہے، جو قرآنی احکام کو نافذ کرے گی۔" (اسلامی نظام از پرویز ص ۷، شائع کردہ ادارۂ طلوع اسلام کراچی)

۲- اللہ اور رسول یعنی "مرکز نظام ملت" کی اطاعت کی تاکید کی گئی ہے۔ (معارف القرآن ج ۴ ص ۶۳۱)

۳- رسول اللہ کے بعد خلیفۃ الرسول رسول اللہ کی جگہ لے لیتا ہے۔ اور اب خدا و رسول کی اطاعت سے مراد یہی جدید مرکز ملت کی اطاعت ہوتی ہے۔ (معارف القرآن ج ۴ ص ۶۰۶)

۴- اس آیت مقدسہ میں عام طور پر اولی الامر سے مراد لئے جاتے ہیں ارباب حکومت (مرکزی اور ماتحت سب کے سب) اور اس کی تشریح یوں کی جاتی ہے، کہ اگر قوم کو حکومت سے اختلاف ہو جائے تو اس کے تصفیہ کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن (اللہ) اور حدیث (رسول) کو سامنے رکھ کر مناظرہ کیا جائے اور جو ہار جائے فیصلہ اس کے خلاف ہو جائے۔ ذرا غور فرمائیے کہ دنیا میں کوئی نظام حکومت اس طرح قائم بھی رہ سکتا ہے کہ جس میں حالت یہ ہو کہ حکومت ایک قانون نافذ کرے اور جس کا جی چاہے اس کی مخالفت میں کھڑا ہو جائے اور قرآن و احادیث کی کتابیں بغل میں داب کر مناظرہ کا چیلنج دیدے[1]

اس آیت مقدسہ کا مفہوم بالکل واضح ہے کہ اس میں اللہ اور رسول سے مراد "مرکز ملت (CENTRAL AUTHORITY) ہے اور اولی الامر سے مفہوم افسران ماتحت۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مقامی افسر سے کسی معاملہ میں اختلاف ہو جائے تو بجائے اس کے کہ وہیں مناقشہ شروع کردو امر متنازع فیہ کو مرکزی حکومت کے سامنے پیش کر دو اسے مرکزی حکومت کی طرف REFER کردو۔ مرکز کا فیصلہ سب کے لئے واجب التسلیم ہوگا۔ (اسلامی نظام ص ۱۱۰، ۱۱۱)

اللہ نہیں بلکہ اس کا قانون | ویمح اللہ الباطل ویحق الحق بکلمتہ ۴۲/۲۴ خدا کا قانون کائنات تخریبی قوتوں کے نتائج کو مٹا دیتا ہے اور تعمیری قوتوں کے نتائج کو برقرار رکھتا ہے جو ٹھوس شکل میں موجود رہتے ہیں۔ (لغات القرآن ج ۲ ص ۵۳۰)

والذی اخرج المرعیٰ فجعلہ غثاءً احویٰ ۸۷/۵ خدا کا قانون زمین سے چارہ نکالتا ہے۔ پھر اسے خشک کرکے بالکل سیاہ رنگ کا کوڑا کرکٹ بنا دیتا ہے۔ (لغات القرآن ج ۲ ص ۵۶۵)

دعا، پکارنے کا تعلق بھی خدا کے قانون سے ہے ہم اسی کے قانون کو آواز دیتے ہیں۔ اور

---

[1] دین اور اہل دین سے برگشتہ کرنے میں پرویز کا کردار بھی وہی ہے جو کمیونسٹوں کا ہے۔

جب ہم اس کے متعلق عمل کرتے ہیں تو وہ ان اعمال کے مشہود نتائج کو سامنے لاکر ہماری پکار کا جواب دیتا ہے۔ (لغات القرآن ج ۲ ص ۶۶۱)

اس گوشہ میں جہاں کہا جاتا ہے کہ اللہ ایسا کرتا ہے یا اللہ نے ایسا کیا تو اس کے معنی ہیں کہ اللہ کا قانون اس طرح کرتا ہے۔ (من ویزداں ص ۳۰۰)

یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبھم ۳/۱۹۱ وہ اُٹھتے بیٹھتے لیٹتے ہر وقت قانونِ خداوندی کو اپنے سامنے رکھتے ہیں۔ قلب ونگاہ کا اس ایک نقطہ پر مرتکز ہونا "دعا" کہلاتا ہے۔ یعنی قدم قدم پر قانونِ خداوندی کو پکارنا۔ (من ویزداں ص ۳۳۰)

(ذرا ملاحظہ فرمایئے! قرآنِ کریم کی آیات کو کس جرأت کے ساتھ مسخ کیا جا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے بغاوت کی جا رہی ہے۔ یاد رکھئے "قانونِ خدا" سے مراد "پرویزی مذہب" میں فطری قوانین ہوتے ہیں۔)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم | اس نظام میں اور تو اور خود "داعی نظام" یعنی رسول کی حیثیت بھی کسی حاکم اور آمر کی نہیں ہوگی۔ بلکہ جماعت کے ایک فرد کی ہوگی (نظام ربوبیت ص ۱۵۸)

نبوت | "باہمہ رفتن" اور "بے ہمہ شدن" یہ ہے فرد اور جماعت کا تعلق یہی وجہ ہے کہ جب نبی اکرم پر حقائق کائنات کو منکشف کیا گیا، جسے "نبوت" کہتے ہیں۔ تو آپ کو حکم دیا گیا کہ اب اٹھو اور افراد معاشرہ کو ایک قافلہ کی شکل میں ترتیب دو "مزمل" کے یہی معنی ہیں۔ (نظام ربوبیت ص ۱۸۴)

رسول کو قطعاً یہ حق نہیں کہ لوگوں سے اپنی اطاعت کرائے۔ | "یہ تصور قرآن کی بنیادی تعلیم کے منافی ہے کہ اطاعت اللہ کے سوا کسی اور کی بھی ہو سکتی ہے۔ حتیٰ کہ خود رسول کے متعلق واضح اور غیر مبہم الفاظ میں بتلا دیا گیا ہے کہ اسے بھی قطعاً یہ حق حاصل نہیں ہے، کہ لوگوں سے اپنی اطاعت کرائے، لہٰذا اللہ و رسول سے مراد وہ مرکز نظامِ دین ہے، جہاں سے قرآنی احکام نافذ ہوں۔ (معارف القرآن ج ۴ ص ۶۱۶)

رسول کی حیثیت | ۱۔ اور تو اور انسانوں میں سب سے زیادہ ممتاز ہستی (محمد) کی پوزیشن بھی اتنی ہی ہے کہ وہ اس قانون کا انسانوں تک پہنچانے والا ہے، اسے بھی کوئی حق نہیں کہ کسی پر اپنا حکم چلائے۔ خدا اپنے قانون میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ (سلیم کے نام از پرویز ج ۲ ص ۴۳ شائع کردہ ادارۂ طلوعِ اسلام لاہور)

۲۔ پھر اسے بھی سوچئے کہ محبتِ رسول سے مفہوم کیا ہے۔؟ یہ مفہوم قرآن نے خود متعین کر دیا ہے، جب نبی اکرم خود موجود تھے تو بحیثیت مرکزِ ملت" آپ کی اطاعت فرضِ اولین تھی۔" (مقامِ حدیث از پرویز ج ۱ ص ۱۹ شائع کردہ ادارہ طلوعِ اسلام کراچی)

رسول کی اطاعت اس لئے نہیں کہ وہ زندہ نہیں | "عربی زبان میں اطاعت کے معنی ہی کسی زندہ کے احکام کی تابعداری ہے، اسلامی نظام میں اطاعت امام موجودگی ہوگی جو قائم مقام ہوگا — "خدا اور رسول کا" یعنی "مرکز نظامِ حکومتِ اسلامی"۔ (اسلامی نظام ص ۱۱۲)

ختم نبوت کا مطلب | ۱۔ ختم نبوت سے مراد یہ ہے کہ اب دنیا میں انقلاب شخصیتوں کے ہاتھوں نہیں بلکہ تصورات کے ذریعہ رونما ہوا کرے گا۔ اور انسانی معاشرہ کی باگ، ڈور اشخاص کی بجائے نظام کے ہاتھ میں ہوا کرے گی۔ (سلیم کے نام پندرھواں خط از پرویز ص ۱۵۰ طبع اول، اگست ۱۹۵۳ء شائع کردہ ادارہ طلوع اسلام کراچی)

۲۔ "اب سلسلۂ نبوت ختم ہوگیا ہے۔" اس کے معنی یہ ہیں کہ اب انسانوں کو اپنے معاملات کے فیصلے آپ کرنے ہوں گے۔ صرف یہ دیکھنا ہوگا کہ ان کا کوئی فیصلہ ان غیر متبدل اصولوں کے خلاف نہ ہوجائے جو وحی نے عطا کئے ہیں، اور جو اب قرآن کی دفتین میں محفوظ ہیں۔ (سلیم کے نام اکیسواں خط ج ۲ ص ۱۲۰)

۳۔ تم نے دیکھ لیا سلیم! کہ ختم نبوت کا مفہوم یہ تھا کہ اب انسانوں کو صرف اصولی راہنمائی کی ضرورت ہے۔ ان اصولوں کی روشنی میں تفصیلات وہ خود متعین کریں گے لیکن ہمارے ہاں یہ عقیدہ پیدا ہوگیا۔ (اور اسی عقیدہ پر مسلمانوں کا عمل چلا آرہا ہے۔) کہ زندگی کے ہر معاملہ کی ہر تفصیل بھی پہلے سے متعین کردی گئی ہے۔ اور ان تفاصیل میں اب کسی قسم کا رد و بدل نہیں ہوسکتا۔ یہ عقیدہ اس مقصد عظیم کے منافی ہے، جس کے لئے ختم نبوت کا انقلاب عمل میں آیا تھا —" (سلیم کے نام بیسواں خط ج ۲ ص ۱۰۳)

قرآن عبوری دور کے لئے | ۱۔ اب رہا یہ سوال کہ اگر اسلام میں ذاتی ملکیت نہیں تو پھر قرآن میں وراثت وغیرہ کے احکام کس لئے دئے گئے ہیں، سو اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن انسانی معاشرہ کو اپنے متعین کردہ پروگرام کی آخری منزل تک آہستہ آہستہ بتدریج پہنچاتا ہے۔ اس لئے وہ جہاں اس پروگرام کی آخری منزل کے متعلق اصول اور احکام متعین کرتا ہے، عبوری دور کے لئے بھی ساتھ ساتھ رہنمائی دیتا چلا جاتا ہے۔ وراثت، قرضہ، لین دین، صدقہ وخیرات سے متعلق احکام اس عبوری دور سے متعلق ہیں جس میں سے معاشرہ گذر کر انتہائی منزل تک پہنچتا ہے —

(نظام ربوبیت از پرویز، تعارف ص ۲۵ شائع کردہ ادارہ طلوع اسلام کراچی)

۲۔ قرآن میں صدقہ وخیرات وغیرہ کے لئے جس قدر ترغیبات و تحریصات یا احکام و

ضوابط آتے ہیں وہ سب اسی عبوری دور (TRANSITIONAL PERIOD) سے متعلق ہیں ——
(نظام ربوبیت ص ۱۶۷)

۳- اس نظام کے قیام کے بعد کوئی مفلس اور محتاج باقی نہیں رہ سکتا۔ لہذا مفلسوں اور محتاجوں کے متعلق اس قسم کے احکام صرف عبوری دور سے متعلق ہیں۔ (سلیم کے نام، دوسرا خط ج ا ص ۴۴ شائع کردہ ادارۂ طلوعِ اسلام لاہور)

شریعتِ محمدیہ منسوخ | ۱- "طلوعِ اسلام" بار بار متنبہ کرتا رہتا ہے۔ اور اب پھر ملّت کو متنبہ کرتا ہے۔ کہ خدا کے لئے ان چور دروازوں کو بند کرو۔ دین کی بنیاد صحیح قرآن اور فقط قرآن ہے، جو ابد الآباد تک کے لئے واجب العمل ہے۔ روایات اس عہد مبارک کی تاریخ ہیں کہ رسول اللہ صلعم والذین معہ نے اپنے عہد میں قرآنی اصول کو کسطرح متشکل فرمایا تھا، یہ اس عہد مبارک کی شریعت ہے۔ قرآنی اصول کی روشنی میں کسی فرد[1] واحد کو جزئیات مستنبط کر کے اپنے عہد کیلئے شریعت بنا دینے کا حق نہیں ہے، خواہ وہ کتنا ہی اتباع محمدی (بقول مرزا) کتنا ہی مزاج شناسی رسول (بقول مودودی) کا دعویدار کیوں نہ ہو۔ بلکہ یہ حق صرف صحیح قرآنی خطوط پر قائم شدہ مرکزِ ملّت اور اس کی مجلسِ شورٰی کا ہے کہ وہ قرآنی اصول کی روشنی میں صرف ان جزئیات کو مرتب و مدوّن کر سکے جن کی قرآن نے کوئی تصریح نہیں کی۔ پھر یہ جزئیات ہر زمانے میں ضرورت پڑنے پر تبدیل کی جا سکتی ہیں۔ یہی اپنے زمانے کے لئے شریعت ہیں۔ (مقام حدیث ج ا ص ۱۹۱ شائع کردہ ادارہ طلوعِ اسلام کراچی)

۲- اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متعین فرمودہ جزئیات کو قرآنی جزئیات کیطرح قیامت تک واجب الاتباع (یعنی ناقابل تغیر و تبدل) رہنا تھا تو قرآن نے ان جزئیات کو بھی خود ہی کیوں نہ متعین کر دیا۔؟ یہ سب جزئیات ایک ہی جگہ مذکور اور محفوظ ہو جاتیں۔ اگر خدا کا منشا یہ ہوتا کہ زکوٰۃ کی شرح قیامت تک کے لئے اڑھائی فیصد ہونی چاہئے تو وہ اسے قرآن میں خود نہ بیان کر دیتا۔ اس سے ہم ایک نتیجہ تک پہنچتے ہیں کہ یہ منشائے خداوندی تھا ہی نہیں کہ زکوٰۃ کی شرح ہر زمانے میں ایک

---

[1] جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہیں۔ اسی لئے پرویز نے قرآنی اصول کو متشکل کرنے کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ "والذین معہ" کا بھی اضافہ کیا ہے۔

ہی رہے۔ (مقام حدیث ج ۲ ص ۲۹۲ و ۲۹۳ شائع کردہ ادارہ طلوعِ اسلام کراچی)

ساری شریعت میں ردو بدل | ۱۔ قرآن کے ساتھ انسان کو بصیرت عطا ہوتی ہے۔ اس لئے جن امور کی تفصیل قرآن نے خود بیان نہیں کی ان کی تفصیل قرآنی اصولوں کی روشنی میں از روئے بصیرت متعین کی جائے گی یہی رسول اللہ نے کیا اور ہمارے لئے بھی ایسا کرنا منشائے قرآنی اور سنت رسول اللہ کے عین مطابق ہے۔ اس باب میں اخلاق، معاملات اور عبادات میں کوئی تفریق و تخصیص نہیں اگر تفریق مقصود ہوتی تو عبادات کی جزئیات قرآن ہی متعین کر دیتا۔ (مقام حدیث ج ۱ ص ۲۴۴)

۲۔ جس اصول کا میں نے اپنے مضمون میں ذکر کیا ہے وہ قانون اور عبادات دونوں پر منطبق ہوگا۔ یعنی اگر جانشین رسول اللہ (قرآنی حکومت) نماز کی کسی جزئی شکل میں جس کا تعین قرآن نے نہیں کیا اپنے زمانے کے کسی تقاضے کے ماتحت کچھ ردو بدل ناگزیر سمجھے تو وہ ایسا کرنے کی اصولاً مجاز ہوگی۔ (قرآنی فیصلے از پرویز ص ۱۴ و ۱۵ شائع کردہ ادارہ طلوعِ اسلام کراچی)

چند قرآنی اصطلاحات

۱۔ ربّ کے معنی خدا کا قانون ربوبیت جو تمام کائنات میں جاری و ساری ہے۔

۲۔ ربوبیت کے معنی کسی شئے کا کامل نشوونما پاکر اپنی تکمیل کو پہنچ جانا یعنی اسکی مضمر صلاحیتوں کا پورے طور پر نشوونما پانا۔

۳۔ حق کے معنی کسی عمل کا تعمیری پہلو جو ٹھوس نتائج کی شکل میں سامنے آئے اور اپنی جگہ پر اٹل رہے۔

۴۔ باطل کے معنی کسی عمل کا تخریبی پہلو جو منفی نتائج پیدا کرے۔

۵۔ ارض کے معنی انسان کی معاشی زندگی، وسائل پیداوار۔

۶۔ سماء کے معنی خدا کا کائناتی قانون جو از خود جاری و ساری ہے۔

۷۔ طیّبات کے معنی زندگی کی خوشگواریاں۔

۸۔ فضل کے معنی سہولتیں۔

۹۔ حسنات انسانی ذات اور معاشرہ میں ٹھیک ٹھیک تناسب قائم رکھنے والا پروگرام۔

۱۰۔ سیّأت کے معنی انسانی ذات اور معاشرہ کا توازن بگاڑنے والا پروگرام۔

۱۱۔ اعمال صالحہ کے معنی انسانی ذات اور معاشرہ میں ہمواریاں پیدا کرنے والا پروگرام۔

۱۲۔ فساد — کے معنی وہ پروگرام جو انسانی ذات اور معاشرہ میں ناہمواریاں پیدا کرے۔
۱۳۔ عدل — کے معنی ہر شئے کو صحیح حالت اعتدال پر رکھنا۔
۱۴۔ احسان — کے معنی جہاں کسی فرد یا معاشرہ کی کسی قوت میں کوئی کمی آ جائے اسے پورا کر کے معاشرے کے توازن کو قائم رکھنا۔
۱۵۔ تقوی — کے معنی معاشی پروگرام کو مستقل اقدار کے ساتھ ہم آہنگ رکھنا اور اس طرح فرد اور معاشرہ کو خوف اور حزن سے محفوظ کر لینا۔
۱۶۔ اقام الصلوٰۃ — کے معنی معاشرہ کو ان بنیادوں پر قائم کرنا جن پر "ربوبیت نوع انسانی" (رب العالمین) کی عمارت استوار ہونی چاہیئے۔ قلب و نظر کا وہ انقلاب جو اس معاشرہ کی روح ہے۔
۱۷۔ ایتاء زکوٰۃ — نوع انسانی کی نشوونما کا سامان بہم پہنچانا۔
۱۸۔ فی سبیل اللہ — نوع انسانی کی ربوبیت کے حصول کی راہیں۔
۱۹۔ بخل — کے معنی "انفاق" کے مقابلہ میں اجتماعی مفاد کے بجائے انفرادی مفاد کا نظریہ۔
۲۰۔ انفاق — ایسا نظام جس میں ایک طرف سے افراد کی محنت کا ماحصل آتا جائے اور دوسری طرف سے "مفاد عامہ" کے لئے نکلتا جائے۔
۲۱۔ ربانیین — نظام ربوبیت کی حامل جماعت۔
۲۲۔ ایمان بالغیب — کے معنی خدا کے نظام ربوبیت کے ان دیکھے نتائج پہ یقین رکھنا۔

(نظام ربوبیت ص ۸۵ تا ۸۸)

انکار حدیث: مسلمانوں کو قرآن سے دور رکھنے کے لئے جو سازش کی گئی اس کی پہلی کڑی یہ عقیدہ پیدا کرنا تھا کہ رسول اللہ کو اس دین کے علاوہ جو قرآن میں محفوظ ہے ایک اور وحی بھی دی گئی تھی جو قرآن کے ساتھ بالکل قرآن کے ہم پایہ (مثلہ معہ) ہے۔ یہ وحی روایات میں ملتی ہے، اس لئے روایات عین دین ہیں۔ یہ عقیدہ پیدا کیا اور اس کے ساتھ ہی روایات سازی کا سلسلہ شروع کر دیا گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے روایات کا ایک انبار جمع ہو گیا۔ اس طرح اس دین کے مقابل جو اللہ نے دیا تھا ایک اور "دین" مدون کر کے رکھ دیا۔ اور اسے اتباع سنت رسول اللہ" قرار دے کر امت کو اس میں الجھا دیا۔ (مقام حدیث ج ۱ ص ۲۲)

تبرکات و نوادر

مولانا مبارک علی مرحوم نائب مہتمم دار العلوم دیوبند ——————
مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ ——————

تبرکات و نوادر کے تحت کبھی کبھی مشاہیر اکابر کے ایسے مکاتیب پیش کئے جاتے ہیں جو قارئین کے لئے علمی، ادبی اور ملی اعتبار سے دلچسپی کا باعث ہوں، اور جنہیں اشاعت کے ذریعہ دست برد زمانہ سے محفوظ رکھنا مناسب ہو۔ یہاں پہلا گرامی نامہ حضرت مولانا مبارک علی صاحب مرحوم کا ہے (جن کا پچھلے دنوں وصال ہوا ہے) حضرت شیخ الحدیث کے نام اس مکتوب میں حضرت مرحوم نے حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہٗ کے وصال پر اپنے تاثرات غم ظاہر کئے ہیں۔ دوسرا مکتوب ایڈیٹر "الحق" کے نام عالم اسلام کی مشہور شخصیت مولانا ابو الحسن علی ندوی کا ایک تازہ گرامی نامہ ہے۔ (ادارہ)

★

برادرم محترم و مکرم حضرت مولانا عبد الحق صاحب سلکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ ——— گرامی نامہ شریف صدور لا کر موجب طمانیت ہوا۔ حضرت مولانا مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے سانحۂ ارتحال پر جن تاثرات کا آپ نے ذکر کیا، وہ بالکل بجا اور درست ہیں۔ افسوس صد افسوس، ایسی برگزیدہ ہستی جو سراپا علم و عمل و زہد و تقویٰ اور اخلاق محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کا نمونہ، یکتائے زمانہ اور اپنی نظیر آپ تھی۔ ایسے دور میں یکایک ہم سے جدا ہو گئی، جو پُر فتن اور باد سموم کے تیز و تند جھونکوں سے پر از تلاطم ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ——— اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے۔ صبر و سکون عطا فرما دے۔ اور حضرت مولانا مدنی قدس سرہٗ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مراتب عطا فرما دے۔ آمین۔

محترما! یہ حادثۂ کبریٰ ہر حالت سے مصیبت عظمیٰ ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی دینی و دنیوی ہر قسم کے حوادث اور وقائع میں نہ صرف رائے صائب اور نیک مشوروں سے بلکہ مخلصانہ اور بہدردانہ عملی جد و جہد سے جس درجہ باعث تقویت اور موجب طمانیت بنی ہوئی تھی، وہ آج ہم میں نہیں ہے۔ فَالَی اللّٰہِ الْمُشْتَکیٰ وَعَلَیْہِ التُّکْلَانُ وَھُوَ حَسْبِیْ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ۔ مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔ یہ وقت آنا تھا، آ کر رہا۔ اندریں صورت بجز صبر و شکر اور چارۂ کار کیا ہے۔ مجھے معلوم ہے آنمحترم کو بھی اس ذات گرامی سے خصوصی تعلق اور قلبی شغف تھا جس کے خوب اندازہ ہے۔

آپ بھی اسی طرح تڑپتے ہوں گے۔ مگر مخترما! اندریں حالات جس پر اپنا عمل ہے وہی آپ سے بھی عرض کروں گا۔ کہ صبر و شکر سے کام لیجئے اور ایصالِ ثواب اور ترقیٔ درجات کیلئے دعا فرماتے رہئے اور اجر حاصل کیجئے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ تاخیر عریضہ کا باعث منجملہ دیگر وقتیہ امور کے اپنا ضعف اور سستی بھی اس کا سبب ہے۔ میں ایک عرصہ تک سخت علیل اور صاحبِ فراش رہا۔ اس موقعہ پر ایک اور بات یاد آگئی۔ ایک طرف حضرت مرحوم و مغفور بیمار تھے۔ دوسری طرف اس احقر کی طبیعت خراب تھی۔ اہلِ خانہ کے ذریعہ طرفین کے حالات معلوم ہوتے رہے۔ جب طبیعت سنبھلی حضرت کے پاس آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہتا۔ کبھی حضرت مرحوم خود یاد فرماتے۔ کبھی یہ احقر خود حاضرِ خدمت ہوتا۔ دیکھ کر بہت خوش ہوتے اور مزاحی جملوں سے نوازتے۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ حضرت کی طبیعت سنبھلی اور باہر مردانہ میں آنے جانے لگے۔ عصر کے بعد مکان پر عام اجتماع ہونے لگا۔ اس وقت اور بھی زیادہ پر لطف اور پر کیف صحبتیں رہیں۔ مگر پھر یکایک طبیعت بگڑی اور تقریباً ایک ہفتہ حضرت مرحوم باہر تشریف نہیں لا سکے۔ اس حالت میں بھی ہماری ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ آخری ملاقات پیر کے دن ہوئی اس کے بعد باوجود کوشش کے ملاقات نہ ہو سکی۔ یہی مقدر تھا۔ پنجشنبہ کے روز ظہر کے وقت بلا وہم و گمان یکایک حضرت مدنیؒ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ اور دارِ فانی سے رخصت ہو کر محبوبِ حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس حادثہ کے مسموع ہوتے ہی کیا حالات پیش آئے، لکھتا، مگر اپنا ضعف مانع ہے۔ اخبارات میں برابر حالات شائع ہو رہے ہیں۔ آپ کے ملاحظہ میں یہ بھی آتے ہوں گے۔ مجھے نزلہ کا عارضہ ہے۔ موسمِ سرما میں اس کا زیادہ اثر رہتا ہے۔ بفضلہ تعالیٰ چند دنوں سے طبیعت سنبھلی ہوئی ہے۔ مگر ضعف زیادہ ہے۔ علاج اور پرہیز کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ صحتِ کامل اور جسمانی و روحانی قوت عطا فرماوے، اعمالِ خیر کی توفیق بخشے اور جب بھی وقت آئے اپنے فضل و کرم سے حسنِ خاتمہ نصیب فرمائے۔ آمین۔

امید ہے مزاج مع الخیر ہوں گے۔ فقط والسلام

احقر مبارک علی نائب مہتمم دار العلوم دیوبند

۱۹ / ۶ / ۷۷ ھ

★

محب گرامی قدر زید لطفہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ - امید ہے کہ آپ سب بفضلہ تعالیٰ بخیر و عافیت ہوں گے،
میں ایک سفر سے کل ۲۷ ستمبر کو حبیب رائے بریلی واپس ہوا تو ڈاک میں والد ماجد مولانا عبدالحق صاحب مدظلہٗ
کا تعزیتی گرامی نامہ، پھر آپ کا مسرت نامہ ملا۔ پہلے خط سے عزت، دوسرے سے مسرت حاصل
ہوئی، اللہ تعالیٰ آپ کے خاندان سے دین و ملت کی وہ خدمت لے جس کی کم سے کم اس ملک میں
سخت ترین ضرورت ہے، اور جہاں عرصہ سے یہ صدا آرہی ہے ؎

کون ہوتا ہے حریف مئے مرد افگن عشق　　ہے مکرر لب ساقی پہ صدا میرے بعد

یوں تو غیب کا علم اللہ کو ہے، لیکن رسالہ الحق کے دیکھنے سے ضرور معلوم ہوتا ہے کہ آپ
حضرات نے مرض کی صحیح تشخیص کی ہے۔ ڈاکٹر فضل الرحمان کے استعفےٰ کی خبر جب پہلی مرتبہ ملی
تو بے اختیار زبان سے نکلا، کہ عرصہ کے بعد ایک اچھی خبر سننے میں آئی، اس وقت یہی خیال ہوا
کہ اس میں آپ حضرات کی جدوجہد بنیادی حیثیت رکھتی ہوگی، دلی مبارک باد قبول فرمائیے۔
الارکان الاربعہ[1] کے متعلق آپ نے جو کلمات لکھے ہیں، وہ آپ کے اخلاق کریمانہ،
اور عالمانہ قدر شناسی پر مبنی ہے، مگر میں بلا تکلف عرض کرتا ہوں، کہ میں اپنی سب سے بڑی
سعادت جس کو اپنے لئے ذریعہ قبولیت سمجھتا ہوں یہ ہے کہ اس میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب
رحمۃ اللہ علیہ کے جابجا اقتباسات ہیں۔ ان کا بار بار نام آیا ہے، اور وہ شاید ان کی اصل کتابوں
کے مطالعہ کی محرک بن جائے۔ بہرحال اس سے بڑی مسرت ہوئی، کہ آپ کو وہ کتاب پسند آئی
میری تمنا ہے کہ میں اسی نہج پر امہات عقائد پر بھی ایک کتاب لکھوں، اور عقائد ثلاثہ۔ توحید،
رسالت، معاد پر بھی اسی اصول و معیار پر ایک کتاب تیار ہو جائے، مگر نہ خود لکھ سکتا ہوں، نہ
پڑھ سکتا ہوں، املا، اور خود نویسی میں جو فرق ہے آپ اس سے ناواقف نہ ہوں گے، لیکن قدرت
الٰہی سب کچھ کرا سکتی ہے، یہ ساری کتاب بھی املا ہی کرائی گئی، اور بہت سی غلطیاں اسی لئے
ہیں کہ میں اپنی آنکھوں سے پڑھ بھی نہ سکا، مجھے اپنی کتاب "ربانیہ لا رہبانیہ" بھی بہت عزیز ہے
اس میں تصوف کو اس طرح پیش کیا گیا ہے، کہ بڑے سے بڑا منکر تصوف، اور متعصب بھی اگر ذرا
انصاف سے کام لے گا، تو اس چیز کا انکار نہیں کر سکے گا، جو اس کتاب میں پیش کی گئی ہے۔ ابھی
میں نے اس پر نظر ثانی کی ہے، اور بعض اہم مضامین کا اضافہ کر کے طبع ثانی کیلئے بیروت بھیجی ہے

---

[1] نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج کے اسرار اور حکمتوں پر مکتوب نگار کی نہایت بلند پایہ اور حکیمانہ تازہ عربی تصنیف (س ح)

چھپنے کے بعد انشاء اللہ ایک نسخہ بھیجوں گا۔

اکوڑہ خٹک کا نام بھی میرے لئے بہت کشش رکھتا ہے، میں دو مرتبہ وہاں حاضر ہوا ہوں پہلی مرتبہ غالباً ۱۹۴۴ء میں۔ اس وقت حاجی ارشد صاحب مرحوم ساتھ تھے، یاد نہیں کس کے یہاں ٹھہرا تھا، لیکن میدانِ جنگ اور بستی جاکر دیکھی تھی، دوسری مرتبہ ایک دو سال کے بعد ہی حاضر ہوا۔ پشاور کے حاجی عبدالقیوم صاحب چائے والے ساتھ تھے، فوٹوگرافر کا بھی انتظام تھا، ان جگہوں کی تصویریں بھی لی تھی۔ بہرحال آپ ایسی جگہ ہیں جہاں سے ہماری روح اور قلب کا تعلق ہے، وہاں سے ایک ایسے مبارک سلسلہ کا آغاز ہوا تھا، جس کے نتیجہ میں درحقیقت مدت مدید کے بعد یہ مملکت عطا ہوئی، خدا کرے اب علم و قلم کے ذریعہ ان مقاصد کی تکمیل ہو اور اس جسد میں صحیح روح پیدا ہو،

میں الحق کیلئے ایک ایسا مضمون بھیج رہا ہوں جسکی ابھی تک اشاعت نہیں ہوئی، یہ حقیقتاً "اسلامیت اور مغربیت" کے دوسرے ایڈیشن کا آخری مضمون ہوگا، لیکن ابھی اس کتاب کی اشاعت میں سال دو سال کی دیر ہے ــــ آپ اس کو شائع فرما سکتے ہیں، مسودہ بہت کٹا پھٹا ہوا ہے احتیاط کے ساتھ اسکی اشاعت کا انتظام فرمایا جائے۔

حضرت والد ماجد کی خدمت میں بہت بہت سلام، اور درخواست دعا۔

والسلام

مخلص۔ ابوالحسن علی ۴ رجب المرجب ۱۳۸۸ھ

قارئین

افکار و تاثرات

میثاق یا نقیضِ میثاق | اسلام علیکم ماہِ رواں کے ماہنامہ میثاق لاہور میں تذکرہ و تبصرہ کے عنوان سے آپ کا اداریہ نظر سے گزرا۔ آپکی اصابت رائے اور صحت فکر سے متعلق بالعموم اس سے قبل جو تاثر تھا اس اداریئے سے اُسے شدید دھکا لگا ہے۔ اس معاملہ پر جامعیت کے ساتھ لکھنے کی مجھے فرصت ہے نہ شاید میثاق اس کا متحمل ہو سکے۔ لہذا کوشش کروں گا کہ بات کو چند ضروری اشارات میں سمویا اور سمیٹا جا سکے۔[1]

ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی کتاب "اسلام" کا مطالعہ کرنے کا مجھے موقع نہیں ملا، لیکن ملک کے مقتدر ماہناموں بالخصوص اکوڑہ خٹک کے "الحق" اور کراچی کے "بینات" میں اس کے مندرجات پر اور "فکر و نظر" میں چھپے ہوئے موصوف کے عقائد پر کافی مواد دیکھ چکا ہوں۔ اگر ان پرچوں نے ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے نظریات کی صحیح ترجمانی کی ہے تو آپ کی یہ رائے قائم کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے کہ موصوف میں اسلام کے خلاف نشوز نہیں پایا جاتا۔ اگر مثال کے طور پر قرآن کے احکام کو ابدی نہ ماننا، معراج کو افسانہ سمجھنا، زکوٰۃ کو حکومت وقت کی مصالح کے تحت قابل تغیر و تبدل ٹیکس قرار دینا، سود شراب اور ذبیحہ کے مسائل پر تجدد کی تحریفات پیش کرنا اور فی الجملہ اسلام کو مغرب کا پاکٹ ایڈیشن بنانے کی سعی ــــــ اگر یہ سب کچھ کر گزرنا بھی اسلام کے خلاف نشوز نہیں سمجھا جا سکتا تو آپ ہی کہیئے کہ اسلام کے خلاف نشوز کا کونسا منفرد اور انوکھا تصور آپ کے ذہن میں پایا جاتا ہے۔

پھر ڈاکٹر موصوف کو عوامی احتجاج سے ذاتی نقصان پہنچا ہے، اس پر آپکو اُن سے ہمدردی ہے۔ عمرانیات کے ایک معمولی طالب علم کو بھی یہ حقیقت معلوم ہے کہ افکار و عقائد کی آویزش میں اور نشو و ارتقا میں بعض افراد اپنے مثبت یا منفی کردار کی بدولت علامتی حیثیت اختیار کر لیتے

---

[1] یہ خط مدیر ماہنامہ میثاق لاہور کے نام ہے۔ (ادارہ)

ہیں۔ اور معاشرہ ان پہ مدح کے پھول یا مذمت کے تیر برساتا ہے تو ان کی ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کی علامتی حیثیت کی بنا پر۔ ٹھیک اسی طرح ڈاکٹر موصوف کی ذات سے کسی کو بحث نہیں چہ جائیکہ کدہو۔ یہ امر مجبوری ہے کہ کسی کی ذات کو اس کے عقائد سے بالفعل جدا نہیں کیا جا سکتا۔ بہرحال باطل کے تمام علمبرداروں کے ساتھ مداہنت کا ارتکاب کئے بغیر صرف ایک ہی ہمدردی کی جا سکتی ہے اور وہ ہمدردی اس کے سوا کچھ نہیں کہ کاش وہ باطل کی بجائے حق کے علمبردار ہوتے۔

آپ کا یہ کہنا بھی کہ تجدد کے مقدمے کا یکجا طور پہ "اسلام" نامی کتاب کے ذریعہ سامنے آنا مفید ہے کچھ عجیب سی منطق ہے۔ دوسرے لفظوں میں آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ منتشر، پراگندہ اور کمزور باطل کی بجائے یکجا مجتمع اور طاقتور باطل مفید ہے۔ مداہنت کے اظہار کا یہ ایک دلچسپ اسلوب تو ضرور ہے لیکن ساتھ ہی راسخیت کے حق میں اس کی مضرت رسانی بھی واضح ہے۔

پھر کہیں آپ نے ڈاکٹر صاحب کی وسعت کو داد دی ہے تو کہیں ان کی دقتِ نظر کو سراہا ہے۔ یورپ کے غیر جانبدار نقاد کی یہ روش ہو تو اچنبھے کی بات نہیں۔ تعجب اور رنج اس پر ہے کہ ایک دینی پرچے کے مدیر کا قلم اس داد و دہش پہ صرف ہو جبکہ معاملہ ایک مضطرب پبلک کے سامنے خلافِ اسلام عقائد کی تنقیح پیش کرنے کا ہے۔ کسی کا مطالعہ لاکھ وسیع اور کسی کی نظر لاکھ دقیق ہوا کرے۔ لیکن اگر وہ اسلام کے خلاف زہر اگلنے پہ صرف ہو تو نظریاتی حس (IDEOLOGICAL SENSE) کی یہ کونسی قسم ہے کہ مخالف کی وسعت مطالعہ اور دقتِ نظر کے راگ الاپنے شروع کر دئے جائیں۔

مزید برآں ارتدادی فکر کو عقلیت پرستی نہیں کہا جا سکتا۔ ستمبر ۱۹۶۸ء کے میثاق میں ڈاکٹر رفیع الدین صاحب کے گرانقدر مقالے سے اس حقیقت کی یاد تازہ ہوتی ہے کہ خود یورپ کی عقلیت پرستی اور سائنس و فلسفہ جب خدائیت کی طرف رخ کرنے لگتے ہیں۔ تو مصنوعی طور پر بہ تکلف انکی باگیں دہریت کی طرف موڑ دی جاتی ہیں۔ یا کم ازکم لاادریت کی طرف ——— فرمائیے! اس دخل در معقولات کو عقلیت پرستی کہیں گے یا ہوس پرستی۔ اسلام میں تو بالخصوص عقلیت پرستی کے پرچم تلے جو غوغا آرائی سنی جاتی ہے، وہ ہوائے نفس کی بانگ درا کے سوا کچھ بھی نہیں کیونکہ اسلام تو اپنی عین فطرت میں صحیح اور سلیم عقلیت نوازی ہے۔ ایسی عقلیت نوازی جو ارتداد، انحراف اور تجدد کی غرض مند مادہ پرستی کی بجائے سیدھی طرح صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

بہرحال آپ کا مذکورہ اداریہ انتہائی غلط رجحانات کا حامل اور بیحد افسوسناک ہے۔ کاش! آپ نے مولانا امین احسن اصلاحی صاحب سے اسکی اشاعت سے پہلے مشورہ کرلیا ہوتا۔ امید ہے کہ اب بھی آپ تلافی سے گریز نہیں کریں گے۔ والسلام

خیر اندیش

ابو ریحان عبدالباقی ——— (چھوٹی گھٹی حیدرآباد)

اس موضوع پر بعض اور بھی کئی مراسلے ملے ہیں گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے ہم مراسلہ نگاروں سے معذرت خواہ ہیں۔ (الحق)

خانقاہ عالیہ موسیٰ زئی اور ایک تصحیح | گذارش ہے کہ بغیر کسی سابقہ تعلق و واقفیت کے چند گذارشات ارسال ہیں، غلطیوں کی تصحیح کے ساتھ ساتھ اگر ہوسکے تو الحق میں جگہ دیکر مشکور ہونے کا موقع بخشیں۔[1]

الحق کا شمارہ رجب ۱۳۸۸ھ میں مولانا نصیر الدین غور غشتی مدظلہ کے حالات پر محترم قاری سعید الرحمان صاحب (راولپنڈی) کا تحریر کردہ سوانحی مضمون میرے سامنے ہے ——— قاری صاحب نے مولانا موصوف کے استاد حدیث شریف قاضی قمر الدین مرحوم اور حضرت مولانا حسین علی مغفور کے مرشد اوّل جدّ ابی قبلہ حضرت خواجہ محمد عثمان رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی غلط تحریر کیا ہے۔ آپ کا اسم گرامی خواجہ محمد عثمان (المرحوم) تھا۔ لیکن مضمون نگار نے خواجہ محمد عثمان کو خواجہ محمد سلیمان بنا دیا ہے۔ یہ غلطی ایک دو جگہ نہیں بلکہ پانچ مقامات پر کی ہے۔ (اسے کاتب کی غلطی نہیں قرار دیا جاسکتا۔)[2]

نیز قاری صاحب کے الفاظ میں مولانا نصیر الدین غور غشتی کا یہ بیان کہ ——— "مولانا حسین علی صاحب حضرت قاضی قمر الدین کے مشورہ سے حضرت خواجہ محمد سلیمان (خواجہ محمد عثمان۔ سعد) کے بیعت ہوئے" ——— خلاف واقعہ اور خلاف حقیقت ہے۔ حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں خواجہ محمد عثمان رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کرنے کی بشارت ہوئی۔[3] مولانا مرحوم کے مختصر حالات زندگی "فوائد عثمانی" میں درج ہے۔ فوائد عثمانی میں مولانا مرحوم کے بیعت ہونے کا واقعہ مع آزاد اردو ترجمہ مندرجہ ذیل ہے:۔

بعد تحصیل علوم کہ از عمر الشیان بست سال	تحصیل علوم کے بعد جبکہ آپ کی عمر بیس
گذشتہ بود کہ شوق جستجوئے و تلاشِ	سال تھی تو ان کو پیر و مرشد کی جستجو
پیری شد۔ استخارہا مشروع کردند	اور تلاش کا شوق ہوا۔ اس مقصد کے
درخواب درویشے دیدند مکانی احوال	حصول کیلئے استخارے شروع کئے

[1] تعمیل کی جارہی ہے۔ (الحق) [2] یہ مضمون نگار کی سہو قلم کا نتیجہ تھا۔ (الحق) [3] مگر دونوں باتوں میں تعارض نہیں (الحق)

درویشاں پرسیدن شروع کردند و نشانِ
مقامہائے آں درویشاں آخر یک طالب علم
کہ از ایشاں علم حدیث شریف میخواندند
نشانِ خانقاہ سون و شکل حضرت قبلہ
بیان نمود. از شنیدن ایں خبر فرحت
اثر روانہ شدند ہماں طور مقام و ہماں
شکل حضرت قبلہ چنانچہ در خواب اذن
شدہ بود دریافتند. حضرت قبلہ پرسیدند
از کدام جائی؟ عرض کردند از قصبہ واں
بھچراں، فرمودند از حال مولوی حسین علی
خبر داری بچہ طور اند. عرض کردند بخیریت،
باز فرمودند تو از خویشان او ہستی یا نہ،
عرض کردند کہ قبلہ من خود حسین علی ہستم.
باز بجائی دیگر معزز نشاندند. پس یک
لحظہ عرض بیعت کردند، فرمودند، دریں
طریق کشف و کرامتہا نیست. دریں
طریق سوختن است. چندیں عمر در تکلیف
تحصیل علم گذاردی. باز چرا مے سوزی.
عرض کردند کہ قبلہ محض برائے ہمیں آمدہ
ام. پس آخر الامر حضرت قبلہ ایشاں را
بیعت دادہ داخل طریقہ عالیہ فرمودند
و بسیار مورد التفات گردیدند.

(مجموعہ فوائد عثمانی ص۱۱۱ قدیم ایڈیشن ۱۳۱۶ھ)

خواب میں ایک درویش کی زیارت نصیب
ہوئی (بعد ازاں) خواب میں دیکھے ہوئے
درویش کے مکان و نشان کا پوچھنا شروع
کیا. آخر ایک طالب علم نے جو آپ سے
درس حدیث شریف لیا کرتا تھا، خانقاہ
شریف، سون اور حضرت قبلہ کی نشانیاں
بتائیں، تو اس خوشخبری سے معاً رخت سفر
باندھا اور روانہ ہوگئے. جبکہ خانقاہ
شریف سون وارد ہوئے تو خواب میں
دیکھے ہوئے مکانات اور خواجہ محمد عثمان
رحمۃ اللہ علیہ کو پایا. (بعد ازاں) حضرت
قبلہ نے آپ سے پوچھا کہ کہاں سے
آئے ہو. آپ نے جواباً عرض کیا واں بھچراں
سے. پھر حضرت مرحوم نے استفسار فرمایا
کہ مولوی حسین علی کے حالات سے کچھ خبر
ہے یا نہیں اور وہ کسطرح رہ رہے ہیں.
جواباً عرض ہوا کہ وہ خیریت سے ہے پھر
حضرت قبلہ نے آپ سے پوچھا کہ کیا تو
اُسکا رشتہ دار ہے تو آپ نے عرض کیا
حضرت قبلہ! میں خود حسین علی ہوں. اس کے
بعد حضرت قبلہ نے آپ کو معزز جگہ پر
بٹھایا. ایک لمحہ گزرنے کے بعد مولانا
مرحوم نے بیعت ہونے کی استدعا کی. تو
حضرت قبلہ نے فرمایا کہ اس طریقہ سے کشف و کرامات نہیں بلکہ جلنا ہے. تم نے اپنی عمر تحصیل علم
میں گذاری ہے. پھر کیوں اپنے آپ کو جلانا چاہتا ہے. مولانا نے عرض کیا، یا حضرت!

میں دین کی خاطر آیا ہوں۔ آخر کار آپ کو بیعت فرما کر داخل طریقہ عالیہ فرمایا اور بہت شفقت فرمائی۔

واضح رہے کہ حضرت قبلہ خواجہ محمد سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ کی فرمائش پر خواجہ محمد عثمان رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر خلیفہ مولانا سید اکبر علی شاہ مرحوم نے حضرت خواجہ صاحب کے حالات و کرامات ملفوظات، تعویذات، معمولات اور حالات بے خلفاء پر مشتمل مجموعہ فوائد عثمانی کے نام سے کتاب تصنیف فرمائی۔ شاہ صاحب مرحوم تقریباً بیس سال تک خواجہ مرحوم کے خطوں کے جوابات اور دیگر تحریری کام انجام دیتے رہے ہیں۔ اور خواجہ مرحوم کے اکثر شریک سفر و حضر بھی رہتے تھے۔ اس باب میں ان کا بیان جتنا مستند ہو سکتا ہے کسی اور کا نہیں۔ دیگر یہ کہ وہ مولانا حسین علی مرحوم کے ہمعصر تھے۔

نیز کتاب مذکور کے آخر میں مولانا حسین علی مرحوم نے جو تقریظ نامہ (صداقت نامہ) تحریر فرمایا ہے اس میں بھی "یا مرشدی و مولائی و مرشد ... حضرت سیدی محمد سراج الدین ... الخ" لکھا ہے ——
(دیکھیے ص ۱۶۷ مجموعہ فوائد عثمانی قدیم ایڈیشن)

یہاں اس چیز کی وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے خاندانی استاذ چلے آئے ہیں۔ مولانا مرحوم کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے بہت برکت فرمائی۔ مرحوم سے میرے پردادا خواجہ محمد سراج الدین اور دادا قبلہ حافظ محمد ابراہیم (رضوان اللہ علیہما) اور میرے والد محترم قبلہ خواجہ محمد اسمٰعیل سراجی مجددی مسند نشین دربار عالیہ خانقاہ شریف موسیٰ زئی شریف (مدظلہ العالی) نے اکتساب فیض و علم کیا ——

نیز واضح رہے کہ خواجہ محمد سراج الدینؒ کی وفات حسرت آیات کے بعد آپ کے نوجوان عمر فرزند اول قبلہ خواجہ حافظ محمد ابراہیمؒ (جو کہ اس وقت تقریباً بیس سال کی عمر کے پیٹے میں تھے اور اکثر و بیشتر دینی علوم کی تحصیل کر چکے تھے۔) رونق افزاء سجادۂ خانقاہ عالیہ ہوئے۔ حضرت حافظ مرحوم کو مسند نشین کرانے اور ان سے پہلے پہل بیعت کرنے والی قبلہ مولانا حسین علی صاحب مرحوم کی ذات بابرکات تھی۔ اور اس کے بعد دیگر موجودہ خلفاء نے بھی مولوی حسین علیؒ کی متابعت میں حضرت حافظ سے بیعت کی —— زیادہ تکلیف دہی معاف! تفصیل کا وقت نہیں اگر وقت نے مساعدت کی تو پھر کسی مجلس میں خانقاہ شریف کے مفصل حالات تحریر کروں گا۔ انشاء اللہ۔ یہ سلسلہ تو ویسے غلطی کی وجہ میں غیر ارادی طور پر دراز ہو گیا ہے —— محترم شیخ الحدیث مدظلہ کی خدمت اقدس میں ہدیہ سلام مسنون نیز طلب دعا۔ علم نافع و عمل صالح مقرون باد۔

دعاگو

ابوالنظم محمد سعد درانی خانقاہ شریف
موسیٰ زئی - ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان

فریڈم نائٹ ماسٹر کے مصنف سے گذارش | اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ حکومت نے ڈاکٹر فضل الرحمن کو ادارہ تحقیقات اسلامی سے برطرف کر دیا۔ یہ حکومت کی بڑی دانشمندی ہے، جس میں ہم حکومت کے شکر گذار ہیں۔ لوگوں کے دلوں کو مجروح کرکے آخر کیا حاصل ہے ـــــ لیکن ساتھ ساتھ ہم یہ گذارشات بھی کرتے ہیں کہ :-

۱- صرف ان کی تصنیف کردہ کتاب "اسلام" ہی اس تحریف فی الدین کی واحد ذمہ دار نہیں بلکہ ان کی دوسری تصنیفات اور عہدہ ڈاکٹری سنبھالنے کے بعد زمانہ کی ساری تحریرات اور ان کے رفقاء کار کی تحریرات بھی ایسی گندگی سے بھری ہوئی ہیں۔ جن پر ماہنامہ "فکر و نظر" اور ادارہ کی طرف سے شائع کردہ انگریزی و بنگلہ پرچے شاہد ہیں۔ حوالہ کے لئے صرف جون ۱۹۶۶ء کا پرچہ "فکر و نظر" ملاحظہ ہو جس پر ہمیشہ علماء حقانی کو شکایت رہی۔ اس لئے ہمارا مشورہ ہے کہ جتنی بھی غلط باتیں مذہب اسلام کے متعلق اس ادارہ اور ایسے لوگوں کی طرف سے شائع ہوئی ہیں کتاب "اسلام" کے ساتھ ان تمام چیزوں کی ضبطی کا بھی اعلان کیا جائے اور ہر ایک مسئلہ کے متعلق ان سے توبہ طلب کی جائے اور اگر توبہ نہ کریں تو ان کو مناسب سزا دی جائے۔

۲- ان مسائل کے متعلق خود حکومت کے خیالات و موقف کی وضاحت کی جائے تاکہ سب کو اطمینان حاصل ہو۔ ورنہ گمان یہ ہوتا ہے کہ عام لوگوں کے دلوں میں جو بے چینی پھیل گئی ہے وہ فرو نہیں ہوگی۔

۳- ساتھ ساتھ یہ بھی گذارش ہے کہ محترم ہمدرد کی سوانح عمری کے اردو ایڈیشن کے صفحہ ۱۷۵ سے ۱۷۷ اور صفحہ ۳۲۷ سے صفحہ ۳۳۲ تک نظرثانی کرکے ان کے متعلق جو غلط فہمیاں ہو رہی ہیں ان کو دور کیا جائے۔

۴- عائلی قوانین کو پوری طرح قرآن و حدیث کے سانچے میں ڈھالا جائے۔

۵- ادارہ تحقیقات اسلامیہ کو متدین محقق علماء دین کے حوالہ کیا جائے اور کچھ افراد جدید تعلیم یافتہ ان کی اعانت کیلئے رکھے جائیں اور اسی طرح اسلامی مشاورتی کونسل کی تشکیل معتمد علماء سے کی جائے۔

غلام احمد پرویز اور مشرقی پاکستان کے ابوالہاشم اور بذل الرحمن بی، ٹی اور ان کے شائع کردہ ایسے رسائل و اخبارات کے متعلق بھی ڈاکٹر فضل الرحمن اور ان کے رفقاء کار والی تجویز پیش ہے۔

محمد ہارون - مدیر ادارۃ المعارف - ڈھاکہ

وقت کی اہم ضرورت | آپ کا ماہنامہ "الحق" باقاعدگی سے ملتا ہے۔ مضامین نہایت دلچسپ اور مدلل ہوتے ہوئے موجودہ وقت کا تقاضا پورہ کرتے ہیں۔ دیگر اردو جاننے والے حضرات کو بھی مطالعہ کے لئے دیا جاتا ہے، جو کہ اس سے کافی معلومات حاصل کرتے ہیں۔ چونکہ بہت کم لوگ اردو پڑھ لکھ سکتے ہیں۔ اس لئے بعض مسلم حضرات جو کہ اسلام سے دلچسپی رکھتے ہیں لیکن اردو نہ پڑھ سکنے کی وجہ سے الحق کے فائدہ مند مضامین سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ خدا کرے کوئی ایسا مسلمان مل جائے جو ابھی انگریزی جانتا ہو۔ اور ان مضامین کا انگریزی ترجمہ شائع کر سکے تاکہ مغربی ممالک میں یہاں اسلام کو غلط رنگ میں پیش کیا جا رہا ہے۔ یہاں کے لوگوں کو اسلام صحیح رنگ میں پیش کیا جا سکے۔ یہاں پر جب بھی عیسائیوں سے کوئی ایسی بات ہوتی ہے تو وہ اسلام سے ناواقفی کی وجہ سے عیسائی پادریوں کا اسلام کے متعلق غلط پروپیگنڈا پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ مغرب کے لوگ عیسائیت تو کیا کسی مذہب سے بھی تعلق نہیں رکھتے۔ ماسوائے چند پادریوں کے باقی اکثریت لامذہب ہیں۔ اور مجھے امید ہے کہ اگر اسلام صحیح رنگ میں پیش کیا جائے تو بہت اچھا نتیجہ برآمد ہوگا۔ کیونکہ یہاں کے عوام لامذہبی اور عیسائیت سے بالکل بیزار ہو چکے ہیں۔
آپ کے ماہنامہ الحق بابت ماہ اکتوبر ۱۹۶۸ء میں "مولانا رحمت اللہ کیرانوی" کے زیر عنوان مضمون میں مولانا صاحب کی کتاب "اظہار الحق" کا ذکر کیا گیا ہے۔ اگر اس کتاب کا انگریزی ترجمہ دستیاب ہو تو برائے کرم یہاں سے یہ کتاب مل سکے کا مکمل پتہ لکھ دیویں۔ تاکہ میں اس کی ایک کاپی منگوا لوں۔
فقط۔ والسلام۔ احقر شیر بہادر خان دی ہیگ۔ ہالینڈ

اصل حق نوازی | مکرمی! آپ ہر سال میرے لئے "الحق" کا ایک پرچہ اور دیگر کسی پانچ اداروں ہسپتال، اسکول، مدرسہ (جہاں آپ مناسب سمجھیں) ارسال کر دیا کریں اور تمام رقم کی وی پی مجھے کر دیا کریں۔ میرا حافظہ چونکہ کمزور ہے۔ اس لئے مجھے یاد نہیں رہتا ورنہ میں خود رقم آپ کی خدمت میں ارسال کر دیا کرتا۔
محترمی! الحق کی خدمت کرنا کسی پر احسان کرنا نہیں بلکہ اپنی عاقبت سنوارنا ہے۔ اگر اسی معمولی سی خدمت سے راضی ہو کر ہم گناہ گاروں کو وہ رب رحیم و کریم بخش دے تو اس سے عمدہ سودا اور کیا ہو سکتا ہے۔ فقط والسلام

ایک اہل خیر ــــ تربیلہ ڈیم